جلد ۷۰ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

ہندوستان کے ان تمام افراد اور جماعتون مین جو پرانے بھارت کا خواب دیکھتی ہین، اور مسلمانون کے دور کی کسی یادگار کو خواہ وہ ہندو مسلمانون کی مشترک کوششون کا نتیجہ اور ان دونون کے اتحاد و اتفاق کی کتنی ہی عزیز نشانی کیون نہ ہو، باقی رکھنا گوارا نہین کرتین، اردو کی مخالفت مین جس قدر اتحاد خیال ہے، اُس کی مثال کسی اور مسئلہ مین نہین مل سکتی، اور اس مین قوم پرور اور فرقہ پرست کسی کا بھی استثنا نہین ہے، ان دونون مین صرف فرق یہ ہو کہ فرقہ پرست صاف صاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہین، اور نام نہاد قوم پرست جو اپنے دلی جذبات کا کھل کر اظہار نہین کر سکتے، وہ چور دروازون سے اردو کی مخالفت کرتے ہین اور اس میدان مین اُن کا قدم فرقہ پرستون سے کسی طرح پیچھے نہین ہے،

چنانچہ جب سے اردو علاقائی زبان کی تحریک شروع ہوئی ہو اس کی مخالفت کا ایک طوفان بپا ہو، اور اس کے خلاف درجنون بیانات نکل چکے، اور تجویزین منظور ہو چکی ہین، اور اب نیا حربہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس تحریک کی فرقہ پرستی کا پروپگنڈا شروع ہو گیا ہے، فرقہ پرستون کی جانب سے تو اس قسم کی باتین نئی اور تعجب انگیز نہین ہین، مگر حیرت اس پر ہے کہ اتر پردیش پولٹیکل کانفرنس بنارس مین بھی اسی آواز کو دہرایا گیا ہے، اور ایک رزولیوشن مین اردو علاقائی زبان کی تحریک کو فرقہ وارانہ اور صوبہ کی وحدت کے خلاف قرار دیا گیا ہو، اگرچہ کہنے کو یہ رزولیوشن غیر سرکاری ہے لیکن درحقیقت پوری کانفرنس کی ترجمانی ہو، ورنہ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ایسا نفاق انگیز رزولیوشن، وہ غیر سرکاری ہی سہی پاس کس طرح ہوا، اور اس کو پیش کرنے کی اجازت کس طرح دی گئی، البتہ محرک نے اردو کے ساتھ اتنی رعایت کی ہو کہ حکومت سے اُس کی تعلیم مین سہولت پیدا کرنے کی سفارش کی ہو، ٹنڈن جی نے حسب معمول اس رزولیوشن کی پرزور تائید کی ہے، مگر مروت مین ان کو بھی اتنا کہنا پڑا کہ وہ اردو ادب کے خلاف نہین ہین، مگر سوال یہ ہو کہ جب اردو زبان ہی نہ رہے گی تو اس کا ادب کیا آثار قدیمہ کے کام آئے گا، تاہم اردو زبان کو ان دونون محسنون کی اس فیاضی اور رواداری کا شکر گذار ہونا چاہئے،

یہ رزولیوشن عقل و منطق کا عجیب مضحکہ انگیز نمونہ ہے، اردو علاقائی زبان کی تحریک کو فرقہ پرستی سے کیا تعلق اور اس سے صوبہ کی وحدت کو کس طرح نقصان پہنچ سکتا ہے، اردو تنہا مسلمانون کی زبان نہین ہے، چنانچہ اس تعصب و فرقہ پرستی کے دور مین بھی لاکھون ہندو اس کو اپنی زبان مانتے ہین، اور ہر مقام کے بہت سے ممتاز ہندو اصحاب اس تحریک مین عملاً شریک اور اس کی رہنمائی کر رہے ہین، اس کے علاوہ ہندوستان کے آئین مین یہان کی موجودہ تسلیم شدہ زبانون مین ایک زبان اردو کو بھی مانا گیا ہے، اور اگر بالفرض اس کو تنہا مسلمانون ہی کی زبان مان لیا جائے تو بھی ہندوستان کے آئین مین ہر فرقہ کی زبان اور کلچر کے تحفظ کی دفعات موجود ہین، اس لئے ان دونون صورتون مین اردو کو اس کا قانونی اور واجبی حق دلانے کی تحریک کو فرقہ پرستی کس طرح کہا جا سکتا ہو،

یہ بھی عجیب منطق ہے کہ ہندوستان کے اور تمام صوبون مین جہان صوبائی زبانون کو بھی ان کا حق دیا گیا ہے، اور ہندی اور مقامی زبانین ساتھ ساتھ چل رہی ہین، صوبون کی وحدت کو کوئی نقصان نہین پہونچ رہا ہے، اور اس صوبہ مین اردو کو علاقائی زبان مان لینے سے اس کی وحدت مین فرق آ جائیگا، انگریزون کے زمانہ مین جب بیک وقت انگریزی، اردو اور ہندی تین تین زبانین رائج تھین، صوبہ کی وحدت کو کوئی صدمہ نہین پہنچا، اور اب دو زبانون سے اس کی وحدت خطرہ مین پڑ جائے گی، درحقیقت لغو اور مہمل بات کبھی عقل کے مطابق نہین ہو سکتی، واقعہ یہ ہے اردو ہی ہندو مسلم اتحاد، اور دونون کے کلچرون کی مشترک نشانی ہے، اور آج بھی اُسی کے ذریعہ قومی وحدت استوار ہو سکتی ہے، اس لئے اس کو باقی رکھنے کی نہین بلکہ اس کو مٹانے کی کوشش فرقہ پرستی اور وحدت شکنی ہے،

اگرچہ اردو کی تعلیم مین سہولت پیدا کرنے کی سفارش محض نمایشی ہے، اور خود محرک کو اس کی بے اثری کا یقین اور اس کا پورا علم ہے کہ حکومت اور اُس کے شعبۂ تعلیم دونون مین ان سے بھی بڑھ کر اردو کے ہمدرد و ہواخواہ موجود ہین، ورنہ وہ اس سفارش کو قریب نہ آنے دیتے، تاہم اس سے اتنا بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی دل مین اردو کے اس صوبہ کی علاقائی زبان ہونے کی معترف ہین، ورنہ انھون نے پنجابی، بنگالی، گجراتی وغیرہ ہندوستان کی کسی اور زبان کے لئے کیون نہ یہ سفارش کی،

اس رزولیوشن کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کی تقویت اور معقولیت کے ثبوت کے لئے بعض مسلمانون نے

سے بھی اس کی تائید کرائی گئی ہے جن کے نام پردۂ راز مین ہین، ورنہ اُن کی حیثیت کا اندازہ ہو جاتا، اس کا اصولی جواب تو یہی ہے کہ اگر چند مسلمانون نے اپنے اغراض سے مجبور ہو کر اس تحریک کی مخالفت کی ہے، تو ہندوؤن کی ایک بڑی جماعت اس مین عملاً شریک ہے، اس کے علاوہ جب گذشتہ الکشن مین جن سنگھ کو بعض ہنوا مسلمان مل گئے تھے، تو کسی صاحب غرض مسلمان سے اردو کی مخالفت کرا دینا کیا مشکل ہے، زبان تو زبان ہے ایسے لوگون سے مذہب تک خریدا جا سکتا ہے،

ان مخالفتون سے اس کا پورا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے مخالفین بھی اس کی قوت کا لوہا مانتے ہین ورنہ ایک ایسی زبان کی مخالفت مین جو بعض لوگون کے نزدیک اس صوبہ کی زبان ہی نہین ہے، اتنی قوت صرف کرنے کی کیا ضرورت تھی، یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس صوبہ کی عام اور مقبول زبان اردو ہی ہے، مگر ان مخالفتون سے اس تحریک کو نقصان پہنچنے کے بجائے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی پہنچے گا، سکون اور خاموشی کی حالت مین ممکن تھا اس کے کارکنون مین کچھ سستی رہتی، مگر اب مخالفین کا شور و غوغا اُن کو بیدار اور ہشیار کر رہا ہے گا، اور آتنی مخالفتون کے بعد اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچانا اردو کے ہر بہی خواہ کا اور زیادہ فرض ہو گیا ہے اور یقین ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اس صوبہ کی زبان بن کر رہے گی،

اس گرانی کے زمانہ مین جب کہ ہر چیز کی طرح کام کی اجرت کاغذ اور دوسرے سامان کتابت و طباعت کی قیمتین بڑھ گئی ہین، معارف ہی ایک ایسا رسالہ ہے جس نے اپنے سامان مین کوئی کمی نہین کی، اور قیمت مین صرف ایک روپیہ کا اضافہ کیا، جو اُس کے مصارف کے مقابلہ مین بہت کم ہے، اس لئے ادھر کئی سال سے وہ خسارہ سے چل رہا ہے، اس خسارہ کو توسیع اشاعت کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کی گئی، اور ناظرین کو بارہا اس کی جانب توجہ دلائی گئی، مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہین نکلا، اس لئے مجبوراً نئے سال سے اوس کی قیمت مین دو روپیہ سالانہ کا اضافہ کرنا پڑا، اور جنوری سے اس کی قیمت چھ روپیہ سالانہ کے بجائے آٹھ روپیہ ہو گی، ہم پر یہ اضافہ خود گران گذر رہا ہے، لیکن معارف کو چلانے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہین تھی، اس لئے امید ہے کہ معارف کے قدردان اس اضافہ کو گوارا کرلین گے، اس قیمت مین بھی معارف جیسا رسالہ نہین مل سکتا،

مصنف معاشیات اڈیٹر نگار نے ۱۹۳۲ء مین مذہبی مسائل مین پڑنے سے باضابطہ توبہ کرلی تھی اور اس توبہ نامہ کو کئی مہینہ تک نگار مین شائع کیا تھا، مگر اب حالات موافق دیکھ کر پھر وہ اس میدان مین اتر رہے ہین اور حصول معاش کے خاطر نگار دوبارہ شروع کر دیا ہے، اس پر شذرات لکھنے کے بعد نظر پڑی، اس لئے اب اس کا جواب آئندہ مہینہ مین دیا جائیگا،

مقالات

نظامِ جاگیرداری و زمینداری

کی

اسلام مین کیا گنجایش ہے؟

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

"زمینداروں کے اس طبقہ کو جو نہ خود کاشت کرتے ہین، اور نہ مفت (اپنی زمین) دوسرون کو (کاشت کرنے کے لئے) دیتے ہین، بلکہ زمین کا کرایہ بشکل نقد یا غلہ کھا رہے ہین، کیا اسلام اس طبقہ کو ختم کر دینا چاہتا ہے؟

یہ ایک اہم معاشی سوال ہے اور اس پر بحث کی کافی گنجایش ہے"

یہ تھا وہ فٹ نوٹ جو میری کتاب "اسلامی معاشیات" نامی کے ص ۳۷۵ پر درج کر دیا گیا تھا، کتاب ۱۹۴۷ء مین بمقام حیدرآباد شائع ہوئی، جہان تک میرا تخمینہ ہے، کتاب کئی سال پہلے لکھی گئی تھی، کم و بیش سمجھنا چاہیئے کہ آج سے سات آٹھ سال پہلے ایک اجمالی اشارہ اس فٹ نوٹ کے ذریعہ اس مسئلہ کی طرف کر دیا گیا تھا، جس کی آج کچھ تفصیل کرنا چاہتا ہون،

اسلامی معاشیات کے حاشیہ پر جس وقت مذکورۂ بالا فٹ نوٹ کا اضافہ کر رہا تھا، یہ خیال تو اسی وقت ذہن مین آچکا تھا کہ وہ زمانہ زیادہ دور نہین ہے، جب واقعہ کی شکل مین یہی مسئلہ دنیا کے سامنے آجائیگا، تاہم اس کی توقع نہ تھی کہ انسانیت کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک کی تعمیل پر

دنیا اتنا جلد آمادہ ہوجائے گی، جس مسئلہ کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے بھی دل ہچکچاتا تھا، کیسے امید کی جاسکتی تھی کہ مرنے سے پہلے دیکھون گا کہ وہی وقت کا اہم ترین مسئلہ بن جائے گا، کیسی عجیب بات ہے ماننے والون کو بھی جس مسئلہ کا سمجھانا دشوار تھا، آج نہ ماننے والے بھی اسی کے سمجھنے پر اپنے آپ کو مضطر اور بے بس پارہے ہین، دنیا بڑھتی ہوئی کس کے قدمون پر گر رہی ہے، گرتی چلی جارہی ہے، منجملہ دوسری زندہ شہادتون کے "الغاء زمینداری" یا "جاگیرداری کے خاتمہ" کا مسئلہ بھی اس کی ایک زندہ اور تازہ شہادت ہے، ضرورت تو اسی کی ہے کہ کسی مستقل کتاب کے ذریعہ اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو واضح کیا جائے، اور جو اس کا حق ہے، اسے ادا کیا جائے لیکن سردست مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی معاشیات کا دوسرا اڈیشن جو شائع ہورہا ہے، اسی مین بطور ضمیمہ کے مسئلہ کے اہم پہلوؤن کو پیش کردیا جائے، والله ولی الامر والتوفیق،

واقعہ یہ ہے جاننے والے جانتے ہین کہ عالمگیر نبوت کبریٰ کا عہد انسانی تاریخ کا وہ خاص عہد اور زمانہ تھا جس مین پرشین امپائر (ایرانی شہنشاہیت) اور رومن امپائر (رومی شاہنشاہیت) مشرق و مغرب کی یہ دونون جبار و قاہر حکومتین روی زمین کی تسخیر و دارائی کے لئے باہم دست و گریبان تھین، دونون مین کشمکش کا طویل تاریخی سلسلہ تھا، جو صدیون سے جاری تھا،

عالمگیر کشمکش کے ان ہی دنون مین اچانک اسلام کا پیغام مشرق و مغرب کی ان دونون حریف قوتون کے درمیان سرزمین حجاز سے بلند ہوا، اور چند سال بھی گذرنے نہ پائے تھے، کہ دونون ہی کو چت کرکے کرۂ زمین کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کا قالب اسلام نے اختیار کرلیا،

یہ ایک واقعہ ہے جو تاریخ کے روشن دنون مین گذرا ہے، دوست دشمن سب ہی کا جانا پہچانا واقعہ ہے، لیکن یہ سوال کہ ان دونون جہان پامال استکباری قوتون سے اسلام نے جو ٹکر لی پنجہ آزمائی کی، اس مہم کی غرض و غایت کیا تھی، یعنی ایرانی اور رومیون کے مقابلہ مین اسلام کی جہادی و جنگی جد و جہد کا

سب سے بڑا نصب العین کیا تھا،

اسلامی وثائق اور عہد نبوت و خلافت کی تاریخ کے عمیق اور گہرے مطالعہ کے بعد حکیم الہند سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے دو سو سال پہلے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء مین اسی سوال کا جو جواب دیا ہے، ان ہی کے الفاظ مین ترجمہ کے ساتھ اسے درج کردیتا ہون،

ان الفارس والروم کانو متسلطین	ایران و روم والے زمین کے حقیقی مالکون
علی ملاك الارض یاخذون	پر زبردستی قبضہ جما کر مسلط ہوگئے تھے، ان
منھم الخراج ولم یکونوا ملاک	مالگذاری وصول کرتے تھے، حالانکہ زبردستی
الارض وزراعھا ولا ورثھا عن	قبضہ جمانے والون کا یہ طبقہ نہ زمین کا مالک
آبائھم واجدادھم فقاتل	ہی تھا، اور نہ اپنے باپ دادون سے وراثت
المسلمون اولئك المتغلبین	ہی مین یہ زمینین ان تک پہنچی تھین درحقیقت
حتی دفعوھم عن سواد الشام	مسلمان اسی پر زبردستی قبضہ جما کر مسلط ہونے
والعراق،	والون سے لڑے، تا آنکہ شام و عراق
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۲۹)	کے زرخیز سرسبز علاقون سے ان کو مار بھگا

ان متغلبین اور متسلطین کو تو مسلمانون نے مار بھگایا، اور جب علاقے سے وہ بھگائے اور کھدیرے گئے، اس کو

ابقاھا ملکا لمن کان بھا الکفرۃ[1]	اسی علاقہ کے غیر مسلم باشندون کی ملک مین

[1] عراق و شام کی زرعی زمینین ان ہی علاقون کے اصلی کاشتکارون کے قبضہ مین رہین، کاشتکارون اور حکومت کے درمیان جاگیردارون اور زمیندارون کا طبقہ باقی نہ رہا، یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے، ائمہ کو خصوصاً امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کا فیصلہ ہے، کہ جن کاشتکارون کا قبضہ تھا، ان ہی کو اسلام نے ان زمینون کا

وضرب علیھم الخراج،

(جلد ۶ ص ۱۱، فتح الباری)

مین باقی رکھا گیا، اور ان پر (حکومت) کا خراج لگا دیا گیا،

یون متغلبین اور متسلطین کے اس طبقہ کو جو حکومت اور زمین پر واقعی کام کرنے والون کے درمیان جبراً گھس پڑا تھا، ان کو درمیان سے نکال کرکے باہر کر دیا گیا،

دوسرا مسئلہ یعنی عراق وشام کے سواد (زرخیز علاقے) کو اسی علاقے کے کسانون اور وطن اردون کی ملک مین باقی رکھا گیا، یہ تو خیر ہماری فقہ کا عام مسئلہ ہے، لیکن عقلی بات جو شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے نقل کی گئی، قدیم تاریخی وثائق کا بھی یہی کھلا ہوا اقتضا ہے،

عہد فاروقی مین عراق کے کاشتکارون کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا تھا، وفد کی نمایندگی کرتے ہوئے ابن الرفیل نامی مرزبان نے حضرت عمرؓ کو خطاب کرکے جو تقریر کی تھی، کتابون مین وہ محفوظ ہے، اُس نے یہ کہتے ہوئے کہ

یا امیر المومنین انا قوم من اھل السواد وکان اھل فارس قد ظھروا علینا واضروا بنا فعلوا وفعلوا حتی ذکر النساء،

امیر المومنین ہم لوگ سواد عراق کے رہنے والے ہین، ایران والے ہم پر چڑھ بیٹھے تھے انھون نے بہت دکھ دیا، انھون نے یہ کیا یہ کیا، (آخر مین ابن رفیل نے) عورتون تک کا ذکر کیا، (یعنی عورتون کے ساتھ بھی ایرانی دست درازیون سے کام لیتے تھے)

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) قانونی ملک بھی تسلیم کر لیا تھا، مگر محدثین مین غیر قانونی دل و دماغ والے بعض افراد ایسے بھی گذرے ہین، جو امام ابوحنیفہؒ کے ملامذہ، کے اس فیصلہ سے ناراض تھے، ابوبکر جصاص نے احکام القرآن مین بسط و تفصیل کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے ثابت کیا ہے، کہ امام پر قطعاً بے جا اعتراض کیا گیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۲،

ان الفاظ مین پہلے تو متغلبین اور متسلطین کی چیرہ دستیون کا ذکر کیا، اس کے بعد ابن رافیل نے عرض کیا،

فلما سمعنا بکم فرحنا بکم و اعجبنا ذلک، فلم نردکم عن شئ حتی اخرجتموھم عنا،

(کتاب الخراج قرشی ص ۵۸)

پھر جب ہم نے آپ (مسلمانون کی آمد) کی خبرین سنین، تو ہم بہت خوش ہوئے، اور یہ بات ہمین پسند آئی، اسی لئے کسی چیز سے آپ لوگون کو ہم نے نہین روکا، اور مزاحمت کی بالآخر ایرانیون کو آپ لوگون نے ہمارے درمیان سے نکال باہر کیا،

اسی کتاب کی دوسری روایت مین ہے کہ ابن الرفیل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ

علی ما صالحتمونا

کن شرائط پر ہماری اور آپ کی صلح ہوئی،

جواب مین حکومت کے قانونی مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مطالبہ کی تکمیل تم کرو، اور

لکم ارضکم واموالکم،

(ر ص ۶۰)

اپنی زمین اور اپنے اموال کے تم مالک بنے رہو،

بہرحال کہنا یہی ہے کہ ایرانیون اور رومیوں سے مقابلہ و مقاتلہ کی بڑی غرض یہ تھی کہ حکومت اور زمین پر واقعی کام کرنے والون کاشتکارون کے درمیان تغلب اور تسلط کے زور سے جاگیردارون اور زمینداروں کا جو طبقہ گھس پڑا تھا، اسی طبقہ کو خارج کرکے زمینون کو اُن کے اصلی مالکون، اور اُن پر کام کرنے والون کے لئے سپرد کر دیا جائے، یہ کوئی نیا پیدا کیا ہوا ایسا نظریہ نہین ہے جسے اس زمانہ کے ماحول کی پیداوار قرار دیا جائے، آپ دیکھ رہے ہین کہ اسی ہندوستان کا ایک محدث و مجتہد آج سے دوسو سال پیشتر اسی خیال کو نہ

کرچکا انہون نے اس زمانہ مین ظاہر کرچکا ہے جب ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے پردہ پر شاید ہی کوئی ہوگا جس کے دل پر اس کا خطرہ بھی گذرا ہو، اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ مین جو ذخیرہ عہد نبوت و خلافت کا پایا جاتا ہے، اس کا صحیح طور پر جو بھی جائزہ لے گا، قدرۃً اسی نتیجہ تک پہونچنے پر اپنے آپ کو مجبور پائے گا، ابن الراقیل کا بیان ایک معمولی مثال ہے لیکن چونکہ یہ ایک جامع مثال تھی، اسی لئے اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا،

ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ایران و روم مین جو کچھ بھی کیا گیا، یہ اسی نبوت کبریٰ کا صحیح اور واقعی منشاء تھا جس کے بعد آسمان سے بنی آدم کی راہنمائی کے لئے رہتی دنیا تک کوئی روشنی آنے والی نہ تھی، استیفا کے لئے تو کسی مستقل کتاب ہی کا انتظار کرنا چاہئے، یہان اجمالاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چند مقدس فرامین کے درج کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ براہ راست خود ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ منصوبہ تھا،

جیسا کہ معلوم ہے قریش مکہ کا تو عام معاشی پیشہ تجارت اور بیوپار تھا، لیکن مدینہ منورہ والون کا حال قریش سے مختلف تھا، ان کے معاش کا زیادہ دار و مدار نخلستانی اور زرعی پیداوارون پر تھا، صحاح مین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مشہور فقرہ ہے یعنی

کان یشغلهم عمل اراضیهم	ہمارے انصاری بھائیون یعنی مدینہ والون کو اپنی زمینون پر کام کرنے سے فرصت
(مسلم)	نہین رہتی تھی،

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے زمینداری کے یعنی زمین کے حصہ کے مالک بن کر کام کئے بغیر زمین سے استفادہ کا طریقہ ان مین عموماً مروج نہ تھا، بلکہ براہ راست اپنی اپنی زمینون پر خود کام کرنے کے وہ عادی تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ مدینہ منورہ کے دو قبیلون اوس و خزرج مین قبیلہ اوس کے سردار

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک موقعہ پر ان کو آتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:-

"کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے،"

بہرحال اپنے قبیلہ کے وہ سردار تھے، اور ان کا شمار مدینہ منورہ کے غیر معمولی سر برآوردہ معززین مین تھا، یہود مین بھی وہ خصوصی احترام کے مستحق سمجھے جاتے تھے، لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ

"کھیتون اور نخلستانون مین کدال اور پھاوڑے سے کام کرنے کی وجہ سے ان کی ہتھیلیون مین گھٹے پڑے ہوتے تھے، (کتاب الکسب سرخسی ضمیمہ مبسوط ج ۳۰، ص ۲۴۵)

کچھ بھی ہو، مدینہ کے باشندون کی اکثریت جہان تک کتابون سے پتہ چلتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکارون اور کسانون ہی کی تھی، البتہ گنے چنے کچھ لوگ، جن مین سب سے زیادہ قبیلہ اوس کے ایک خاندان بنی حارثہ نامی کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ضرورت سے زیادہ زرعی زمینین ان کے قبضہ مین تھین، زرعیات یعنی زرعی مسائل کی متعلقہ روایتون کے بیان کرنے والے زیادہ تر اسی خاندان کے افراد ہین، جن مین سب سے زیادہ مشہور حضرت رافع بن خدیج صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہین، خود ان کا قول بخاری مین نقل کیا گیا ہے؛

کنا اکثر الانصار مزدرعا	تمام انصار (یعنی مدینہ منورہ والون) مین سب
(بخاری)	سے زیادہ زرعی زمینین ہمارے پاس تھین،

ہمارے سے مراد ان کی خاص اپنی ذات نہین ہے، بلکہ بنی حارثہ کا خاندان ہے جس کے ایک فرد وہ بھی تھے، صحاح کی عام کتابون مین مزدرع کی جگہ "حقلاً" کا لفظ ہے، اور یہی زیادہ مشہور ہے، مطلب دونون لفظون کا ایک ہی ہے،

بہرحال ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے یا یون سمجھئے کہ اتنی زیادہ زمینین اس خاندان کے قبضہ مین تھین کہ خود براہ راست ان کی آبادکاری ان لوگون کے بس کی بات نہ تھی، اس لئے زاید از ضرورت

اراضی کا من مانے شرائط پر حاجت مندون کے ساتھ بندوبست کردیا کرتے تھے،

اسی خاندان کے ایک صاحب جن کا نام اُسید بن ظہیر تھا، حضرت رافع بن خدیج رضی کے بھتیجے تھے انکا بیان کتابون مین نقل کیا جاتا ہے کہ

ہم مین (یعنی بنی حارثہ والون مین) رواج تھا کہ زمین جو ضرورت سے زیادہ ہوتی، اسے تہائی، چوتھائی نصف پر باین شرط بندوبست کیا کرتے تھے کہ اچھے قطعات اور کھیت کے جس حصہ تک پانی پہنچ سکتا ہے، اس کی پیداوار بھی ہم لین گے، اور ہر قطعہ کی تین تین کیاریون کی پیداوار بھی ہم ہی لین گے،

اسی کے بعد اُن کے الفاظ ہین کہ

وکان العیش اذ ذاک شدیدا — اس زمانہ مین زندگی بڑی دشوار تھی،

بظاہر ان الفاظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کڑی کڑی شرطون پر بھی لوگ زمینون کو اُن کے مالکون سے لینے پر مجبور تھے، آگے ان ہی کے جو الفاظ اس روایت مین ہین، ان کا حاصل یہ ہو کہ

"بے چارے کسان لوہا یعنی کدال پھاوڑا ہل کے ساتھ کام کرتے تھے، اور کچھ نفع اُن کو مل جاتا تھا، (کنزالعمال ج ۸ ص ۹۰)

یہی زمانہ تھا کہ دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، آپ مدینہ منورہ مین رونق افروز ہوتے ہین، زندگی کے دوسرے شعبون کی طرح اس شعبہ پر بھی آپ کی نظر پڑتی ہے جس کا نام مزارعت (کھیتی باڑی کا معاملہ) ہے، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ زمیندارون یعنی زمینون کو بندوبست کرکے کرایہ لینے والون کے خاندان بنی حارثہ مین ایک دن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، سامنے اسی خاندان کے ایک صاحب جن کا نام ظہیر تھا، اُن کی زمین تھی جس پر ہری بھری کھیتیان لہلہا رہی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا،

ما احسن زرع ظُہیر، — ظُہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے،

لوگون نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ظہیر کی کاشت نہین ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا کہ

"یہ زمین کیا ظہیر کی نہین ہے"؟

تب آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ

"جی ہان زمین تو ظہیر ہی کی ہے لیکن اس مین کاشت فلان شخص نے کی ہے"

یہ پہلی اطلاع تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس سلسلہ مین پہنچی، اور آپ کو معلوم ہوا کہ زمین کے مالک یہ بھی کرتے ہین کہ اپنی زمین دوسرون کو کرایہ پر خاص شرائط کے تحت دے دیتے ہین اور پیداوار کا کافی حصہ حاصل کرتے ہین،

اس وقت تو جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے، فوری فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ظہیر جو زمین کے زمیندار تھے، اُن کو حکم دیا کہ کاشت کرنے کے مصارف کاشتکار کو ادا کرکے اپنی کھیتی تم واپس لے لو، حکم کی تعمیل اسی وقت کردی گئی، (دیکھو کنزالعمال ج ۸ ص ۹۰ بحوالہ طبرانی و ابن ابی شیبہ)

لیکن آپ کے اس فیصلہ سے صحیح طور پر لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک کا پتہ نہ چلا،

غالباً اسی کے بعد وہ واقعہ پیش آیا، جس کا تذکرہ مختلف الفاظ مین روایتون مین کیا گیا ہے، سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی سمجھ مین آتا ہے کہ بنی حارثہ کے چند سربرآوردہ افراد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کیا، جن مین حضرت رافع بن خدیج کے دو چچا جن مین ایک کا نام خود ہی ظہیر تھا، ظہیر کے بھائی کا نام مُظہر یا مظہر تھا، ان دو چچاؤن کے سوا حضرت رافع کے ایک ماموں اور ان کے چچازاد بھائی اسید بن ظہیر کا بھی

ذکر بھی اسی سلسلہ مین کیا جاتا ہے،

بخاری مین ہے، حضرت ظہیرؓ کہتے تھے کہ

دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اپنی زرعی

قال ما تصنعون بمحاقلکم، — زمینون کے ساتھ تم لوگ کیا کرتے ہو،

حالانکہ اجمالاً بنی حارثہ کے طریقۂ کار کا علم اسی وقت رسول اللہ کو ہو چکا تھا جب انکے محلہ کے کھیتون کا آپ نے معائنہ فرمایا تھا، مگر تفصیلی حالات کے پوچھنے کے لئے آپ نے پھر بلایا، اور واضح لفظون مین اپنے منشاے مبارک سے آگاہ کیا،

بنی حارثہ کے زمیندارون تک کو خود حضرت ظہیرؓ اور اسی خاندان کے دوسرے افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان کو پہنچاتے ہوئے جن الفاظ مین اطلاع دی تھی، کتابون مین آج تک وہ محفوظ ہین، حضرت رافعؓ کا بیان ہے کہ

سمعت عمی بعد ثان اہل الدار — مین نے اپنے دونون چچاؤن (ظہیر اور مُہیرؓ)

انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن — سُنا، دار (محلہ والون) سے دونون کہہ رہے

کراء الارض — تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے

(جمع الفوائد ۲۵۳ بحوالہ صحاح ستہ) — کی رسول اللہ نے ممانعت کر دی ہے،

اسی طرح اپنے ماموں جن کے نام کا پتہ نہ چل سکا، ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت رافعؓ ہی کہا کرتے تھے،

دخل علی خالی یوماً فقال نہانا — میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی

عن امر کان لکم نافعاً وطواعیۃ — بات سے منع فرما دیا، جو تم لوگون کے لئے

اللہ ورسولہ انفع لنا وانفع لکم — نفع بخش تھا، لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری

کنز العمال ص ۳ ، — ہمارے لئے بھی اور تمھارے لئے بھی زیادہ

(بحوالہ مصنف عبدالرزاق) — نفع بخش ہے،

اسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کا اعلان ان الفاظ مین حضرت رافعؓ کے ماموں نے کیا کہ

نہی عن الثلث والربع وکراء — تہائی اور چوتھائی پر اور کرایہ پر زمین دینے

الارض — سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع

(ایضاً) — فرمادیا ہے،

اسید بن ظہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمان نبویؐ کو اپنے خاندان والون تک جس طریقہ اور جن الفاظ مین پہونچایا تھا، اس کا تذکرہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط مین امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کیا ہے، لکھا ہے کہ ایک دن بنی حارثہ مین اسید بن ظہیر پہنچے، اور کہنے لگے کہ

یا بنی حارثہ[1] قد دخلت علیکم — اے بنی حارثہ والو، آج تم لوگون

الیوم مصیبۃ، — پر مصیبت ٹوٹ پڑی،

گھبرا کر لوگ پوچھنے لگے کیا ہوا؟ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے لوگون کو ان الفاظ مین حضرت اسیدؓ نے مطلع کیا کہ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے سے رسول

عن کراء الارض (مبسوط ج ۲۳ ص ۱۲) — اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے

---

[1] مبسوط کے مطبوعہ نسخہ مین بنی خارجہ چھپ گیا ہے، لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے، صحیح بنی حارثہ ہے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خود حضرت رافعؓ بن خدیج اگرچہ صحابی ہین، اور ممتاز صحابیون مین شمار کئے جاتے ہین لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بھی ممکن ہے کہ بجائے ایک فرد کے بنی حارثہ کے مختلف افراد کے ذریعہ وقتہً وقتہً سے آپکا پیغام ان لوگون تک پہنچایا گیا ہو، روایتون میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کچھ بھی ہو بنی حارثہ والون تک ان ہی کے خاندانی افراد کے ذریعہ سے رسول اللہ کا فرمان مقدس جو پہنچا تھا، الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتابون میں پایا جاتا ہے مثلاً

بخاری میں ہے،

نھی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن کراء المزارع،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی زمینون کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع کر دیا ہے،

یا مسلم میں ہے:۔

نھی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان یوخذ للارض اجر او حظ، (مسلم)	منع کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین کے مقابلہ مین، یعنی زمین کو بندوبست کرکے معاوضہ یا کسی قسم کا کوئی حصہ لیا جائے،

قریب قریب اسی قسم کے الفاظ صحاح ستہ کی دوسری عام کتابون میں ہین نیز اسی خاندان کی روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤن کے متعلق وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جاتا تھا، مثلاً نسائی میں ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۵) کی تشریف آوری جس زمانہ مین مدینہ منورہ میں ہوئی، اس وقت وہ بہت نوعمر تھے، اسی لئے بدر کی جنگ میں نوعمر قرار پانے کی وجہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت سے روک دیا تھا، احد میں شریک تھے، تیر سے زخمی بھی ہوئے ۸۶ سال کی عمر میں وفات کہتے ہین کہ اسی زخم سے ہوئی جو احد مین تیر لگنے سے ہوا تھا، درمیان میں بند ہو گیا، آخر عمر میں [illegible] کھل گیا جس سے وفات ہوئی،

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ تھوڑا بہت اناج بھی زمین کا مالک کاشتکار سے نہین لے سکتا؟ فرمایا گیا نہین، پوچھا گیا کہ (غلہ نہ سہی) تین (بھوسہ کٹوا) بھی زمیندار نہین لے سکتا، فرمایا گیا نہین"

کنز العمال میں ابوداؤد و مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے رافع بن خدیج ہی کی طرف یہ روایت بھی منسوب کی گئی ہے کہ

"زمین کو تہائی چوتھائی یا اناج کی مقررہ مقدار پر بھی بندوبست کرنا جائز نہین ہے"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت میں جو باتین پوچھی جاسکتی تھین، سب ہی پوچھی جا چکی تھین، صرف ایک شکل نقدی بندوبست یعنی فی قطعہ کچھ روپیہ بطور کرایہ کے زمین کا مالک کاشتکار سے وصول کرے، اس کے متعلق انہی رافع بن خدیج سے پوچھا گیا، تو بخاری میں ہے کہ جواب میں انھون نے فرمایا،

اما الذھب والورق لم یکن یومئذٍ	تو سونا چاندی اس زمانہ میں نہ تھا،

جس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

ای یکری بھما دلم یرد نفی وجودھما (جلد ۵ ص ۸)	یعنی سونے چاندی پر کھیتون کے بندوبست کرنے کا رواج اس زمانہ مین نہ تھا، یہ مطلب نہین ہے کہ اس زمانہ مین سونے چاندی کا سرے سے وجود ہی نہ تھا،

اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت رافعؓ سے زمینون کی نقدی بندوبست کا جب سوال کیا جاتا، تو کبھی یہ فرماتے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تو منع نہین کیا"

بخاری مین ان کا فتویٰ باین الفاظ درج کیا گیا ہے،

لیس بھا باس بالدینار والدرھم	یعنی اشرفی اور درہم کی شکل مین زمین کے
(کتاب الزراعت)	کرایہ لینے مین مضائقہ نہین ہی،

جس سے بظاہر یہی سمجھ مین آتا ہے کہ یہ اُن کا اجتہاد تھا، یہ خیال کر کے کہ جب عہد نبوت مین نقدی بندوبست کا رواج ہی نہ تھا، تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع کیسے کر سکتے تھے، اور جس چیز سے رسول اللہ نے منع نہین کیا، ہم اس سے کیون منع کرین[1]،

مگر پھر انہی کو اس کا خیال بھی گذرا کہ کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روک دیا ہے، تو کرایہ خواہ بشکل جنس اور پیداوار ہو، یا بشکل نقد ہو، سب ہی کرایہ ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اُن ہی کی طرف اس قسم کے فتویٰ بھی کتابون مین منسوب ہین، حضرت رافعؓ کے پوتے جن کا نام عمران ابن سہل تھا، انھون نے ایک دفعہ اپنے دادا حضرت رافعؓ کو آکر اطلاع دی کہ

"دادا جان مین نے دوسو درم پر اپنی زمین کرایہ پر دے دی ہے"

یہ سُن کر اپنے پوتے عمران سے حضرت رافعؓ نے کہا

دعہ فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	چھوڑ دو اس کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
نھی عن کراء الارض،	علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہی،

ظاہر ہے کہ دادا بن جانے اور وہ بھی اس وقت جب اُن کے پوتے عمران کاروبار کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے تھے، اس زمانہ کا فتویٰ ہے یعنی عمر کے آخری زمانہ کی رائے ہی،

---

[1] صحاح ستہ اور موطا وغیرہ مین ایک ایسی روایت بھی پائی جاتی ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نقدی بندوبست کرنے کی اجازت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت رافعؓ منسوب کرتے تھے، لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ دراصل راوی کے سمجھنے مین مغالطہ ہوا ہے، ورنہ درحقیقت یہ سعید بن مسیب کا قول تھا جسے راوی نے

بہرحال بقول ابن حزم نقدی بندوبست کا فتویٰ جو حضرت رافعؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، پہلی بات تو یہی ہے کہ یہ اُن کا اجتہادی فتویٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہین ہے، پھر فتویٰ کی دونون صورتین یعنی جواز و عدم جواز دونون ہی اُن کی طرف منسوب ہی، جواز پر استدلال ان ہی کا یہ نقل کیا جاتا ہے کہ عہدِ نبوت مین نقدی بندوبست کا رواج نہ تھا، مگر عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوے خود ان ہی کی سمجھ مین آیا، کہ مطلقاً کرایہ پر زمین کے بندوبست کرنے کی صورت نقدی بندوبست بھی کی ہے پھر یہ کیون جائز ہو، حافظ ابن حزم کا بیان ہے کہ مطلقاً کرایہ پر زمین کو بندوبست کرنے کی ممانعت کا حکم براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حضرت رافعؓ جو منسوب کرتے تھے، اس کے راوی کوئی ایک دو آدمی نہین ہین، بلکہ:-

الذین ردوا عموم النھی عن	زمین کو مطلقاً کرایہ پر بندوبست کرنے سے
رافع ابن عمر وعثمان وعمران	رسول اللہ نے منع فرمایا، اس حدیث کو رافع
وعیسٰی، ابنا سھل بن رافع	سے ابن عمر، عثمان، عمران، اور عیسٰی جو حضرت
وسلیمان بن یسار وابو النجاشی،	رافعؓ کے صاحبزادے سہل کے بیٹے ہین، اور
(جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ محلی)	سلیمان اور ابو النجاشی سب ہی روایت کرتے ہین

ان مین اُن کے گھر کے آدمی یعنی پوتون کے سوا ابو النجاشی کے نام کو جو آپ دیکھ رہے ہین، یہ وہ صاحب ہین جو برسون حضرت رافعؓ کے ساتھ رہے ہین، حافظ ابن حجر نے ابو النجاشی کا قول نقل کیا ہے کہ

"چھ سال تک رافع کے ساتھ مین رہا" ج ۵ ص ۱۰، فتح)

خصوصاً اُن کے پوتون کا جب یہ بیان ہے کہ اُن کے دادا حضرت رافعؓ نقدی بندوبست سے بھی

نمبر حاشیہ ص ۴۱۸) کچھ اس طرح خلط ملط کر دیا ہے، جس سے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے دیکھو! فتح الباری ج ۵ ص ۲۰،

منع کرتے تھے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اُن کی رائے یہی ہو گئی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً کرایہ سے جب ممانعت فرمادی ہے، تو نقد کی شکل میں بھی زمین کا کرایہ لینا زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ کچھ بھی ہو یہ بھی کرایہ ہی کی ایک شکل ہے، اور شاید نسبتہً زیادہ اطمینانی شکل، بلکہ بقول شمس الائمہ سرخسی جیسا کہ انھوں نے اسید بن ظہیر کے اس پیام کا تذکرہ کرتے ہوئے جس کا ذکر کر چکا ہوں یعنی بنی حارثہ والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت اسیدؓ نے کہا تھا؛

"اے بنی حارثہ آج تم پر بہت بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی"،

شمس الائمہ نے لکھا ہے کہ خلاصہ جس کا یہی ہے کہ

"بندوبست کر کے زمین سے استفادہ کا کوئی طریقہ اگر زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں کے لئے باقی رہتا، تو ممانعت کا یہ حکم اُن کے لئے مصیبت ہی کیوں ہوتا"

اسی کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

فھو دلیل لابی حنیفۃ رحمہ اللہ وظاھر قولہ علیہ السلام ازرعھا او امنحھا اخاک،

یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہ کے فتویٰ کی، اور یہی بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے سمجھ میں آتا ہے، (جو زمین کے مالکوں کو آپ نے دیا تھا، یعنی خود تم اپنی زمین میں کاشت کرو یا اپنے بھائی کو مفت معاوضہ لئے بغیر دے دو)

آخر میں اسی موقعہ پر اُن کے قلم سے یہ فقرہ نکل گیا، ''

یدل علی سد باب المزارعۃ

یہی بتا رہا ہے کہ زمین کے مالکوں یعنی زمینداروں

علیھم مطلقا،

پر مطلقاً مزارعت یعنی زمین بندوبست کرنے کے قصہ ہی کو ختم کر دینا مقصود تھا،

(مبسوط ج ۲۳ ص ۱۲)

قطعی طور پر زمینداری کا انکار اور ختم کرنا، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک ہے اور نصب العین تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مفاد اسی کو قرار دیتے ہوئے آگے انھوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ

بہ یستدل من المتعسفۃ انہ لا یجوز استیجار الارض بالذھب والفضۃ لمقصود الزراعۃ ؛

تشدد پسند علماء میں جن لوگوں کا فتویٰ ہے کہ سونے چاندی پر بھی زمین کو بندوبست کرنا جائز نہیں ہے، وہ اسی سے استدلال کرتے ہیں،

تشدد پسند علماء میں کون کون سے حضرات ہیں، اس کا ذکر تو آگے آرہا ہے، لیکن اتنا تو بہر حال معلوم ہوا کہ

"سد باب المزارعۃ مطلقا"

یعنی سرے سے زمینداری کے طریقہ کو اٹھا دینا یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا، یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے، بلکہ اسلامی علماء میں ایک طبقہ ہمیشہ اسی خیال پر اصرار کرتا رہا ہے اور اس باب میں سب سے زیادہ شہرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، عام کتابوں میں بھی ان کا مذہب نقل کیا جاتا ہے کہ مزارعت (یعنی زمینداری) کے طریقہ کو وہ غیر مشروع فعل قرار دیتے تھے، اگرچہ بعد کو ان کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ نقدی بندوبست کی اجازت دیتے تھے، لیکن ہم جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی قانون کی تدوین میں حصہ لینے والوں کی بڑی اکثریت نقدی بندوبست کو بھی ناجائز قرار دینے پر اصرار کرتی رہی ہے، ابن حزم نے محلّی میں نقل کیا ہے، کہ شام کے امام اوزاعی کہا کرتے تھے،

کان عطاء ومکحول ومجاھد و

عطاء، مکحول، مجاہد، حسن بصری سب ہی کہتے تھے

الحسن البصری یقولون لا تصلح	کہ زرعی زمینوں کا نہ روپیہ ہی سے بند و بست
الأرض البیضاء بالدراھم ولا	کرنا جائز ہے، نہ اشرفیوں سے،
بالدنانیر (جلد ۸ ص ۲۱۳)	

پھر دوسرے مختلف ائمہ کے اقوال کا ذکر کرکے آخر مین ابن حزم نے دعوی کیا ہے،

فھو لاء عطاء ومجاھد ومسروق	پس یہ ہین عطاء، مجاہد، مسروق، شعبی
والشعبی، وطاؤس، والحسن	طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین،
وابن سیرین، والقاسم بن	قاسم بن محمد، یہ سب کے سب زمین
محمد کلھم لا یری کراء الارض	کو کرایہ پر بند و بست کرنے کو جائز نہین
اصلا لا بدنانیر ولا بدراھم	سمجھتے، نہ روپے پر اور نہ اشرفیون پر، نہ
ولا بغیر ذالک، (محلی ج ۸ ص ۲۱۳)	ان کے سوا کسی اور چیز پر،

جاننے والے جانتے ہین کہ الامصار یعنی سارے مرکزی شہرون جن مین اسلامی قانون کی تدوین و ترتیب کا کام ابتدائے اسلام مین انجام دیا گیا، ان مین سے مشکل ہی سے کوئی ایسا شہر ہے جس کے مستند علماء اور ائمہ کا نام اس فہرست مین رہ گیا ہے۔

مکہ کے عطاء، مدینہ کے قاسم بن محمد، بصرہ کے خواجہ حسن اور ابن سیرین، کوفہ کے شعبی و مسروق، یمن کے طاؤس، دمشق کے مکحول سب ہی کا جب یہ اتفاقی فیصلہ تھا، تو سمجھ مین نہین آتا کہ متعصفہ (تشدد پسند) کے لفظ سے شمس الائمہ نے کن لوگون کی طرف اشارہ کیا ہے، کوئی وجہ نہین کہ امام ابو حنیفہ

---

[۱] طاؤس کی طرف صحاح مین ایسے اقوال بھی منسوب کئے گئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نقدی بند و بست کو ناجائز سمجھتے ہوے بٹائی کے طریقہ کی اجازت دیتے تھے، لیکن حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین لکھا ہے کہ طاؤس ان لوگون مین تھے، جو کسی شرط پر زمین کے بند و بست کرنے کو جائز نہین سمجھتے تھے، (فتح الباری ج ۵ ص ۱۹)

کی طرف عام کتابون مین مزارعت کے عدم مشروعیت یا غیر قانونی ہونے کے فتوی کو جو منسوب کیا گیا ہے، اس مین خواہ مخواہ ترمیم کی جائے، جب اسلامی قانون کی تدوین و ترتیب کے کام کرنے والے بزرگون کا عام خیال یہی تھا کہ جیسے زمینداری کی تمام صورتین ناجائز ہین، اسی طرح نقدی بند و بست بھی جائز نہین ہے،

تعجب اس پر ہوتا ہے کہ خود شمس الائمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کا تذکرہ بھی کیا ہے، خلاصہ جس کا یہ ہے کہ

"چند آدمی اکٹھے ہوے اور باہم ان مین طے ہوا کہ ان مین ایک طرف سے تو فدان[۱] (ہل بیل) دیا جائے گا، دوسرے صاحب تخم کا انتظام کرین گے، تیسرے صاحب جو تنے بونے سینچنے کا، الغرض کاشت مین جو کچھ کام کیا جاتا ہے، اس کو انجام دین گے، اور چوتھے صاحب کی طرف سے زمین پیش کی گئی،

طے یہ پایا کہ پیداوار کو چارون آپس مین بانٹ لین گے"،

اسی شرط پر کھیتی کی گئی، کھیتی جب تیار ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین یہ معاملہ پیش ہوا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قصے کو سنکر جو فیصلہ کیا، وہ یہ تھا کہ زمین کے مالک یعنی زمیندار صاحب کے سوا جتنے بھی تھے، ان مین ہل بیل والے صاحب کو تو مروجہ کرایہ (اجر مثل) دلا دیا، اور کاشت کا کام جس صاحب نے کیا تھا، ان کو ایک درم یومیہ کے حساب سے مزدوری دلوائی گئی، اور جو کچھ پیدا ہوا تھا، آپ نے بس کا مستحق ان صاحب کو قرار دیا، جنھون نے تخم دیا تھا، باقی رہے زمین کے مالک زمیندار صاحب، شمس الائمہ کی روایت کے الفاظ ہین کہ

---

[۱] فدان شاید پدان یا پایدان کا معرب ہے، ہل پر پاؤن رکھ کر کسان چلاتے ہین، شاید اسی لئے اس کو پایدان کہتے ہون اور اسی سے عربی مین فدان بن گیا ہو، ۱۲

النفی الارض، — زمین (کے حق) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع قرار دیا،

یعنی زمیندار کو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا، خود ان الفاظ کی شرح شمس الائمہ نے یہ کی ہے کہ

یعنی لم یجعل لصاحب الارض من الخارج شیئاً، (مبسوط ج ۲۳ ص ۱۶) — زمین کے مالک زمیندار کو پیداوار کا کچھ حصہ نہ دلایا گیا،

آگے اُس کی بھی تصریح شمس الائمہ نے کی ہے کہ

الحدیث صحیح وکل قیاس بمقابلتہ متروک (ایضاً) — حدیث بالکل صحیح ہے اور (ہر عقلی اعتراض کی) صحیح حدیث کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہے،

حقیقت تو یہ ہے کہ اتنا ہی زمینداری اور جاگیرداری کے طریقہ کو ختم کرنے کے لئے انسانیت کے سب سے بڑے آخری بہی خواہ کی طرف سے اور کیا کیا جاتا، حالانکہ عرب عموماً ایک غیر زرعی ملک تھا، لیکن جوں ہی آپ کو موقع ملتا ہے، پہلے خود کھیتوں کا معائنہ فرماتے ہیں، اور کھیتی کرنے والوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں اُن کے یہاں کن باتوں کا رواج ہے، جب پہلی اطلاع زمینداری کے طریقہ کی آپ کو ہوتی ہے تو اسی وقت روکتے ہیں، اور معاملہ کو زمیندار و کاشتکار کے درمیان عملاً ختم کرا دیتے ہیں، پھر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں زمیندار خاندان کے لوگوں کو بلاتے ہیں، اپنا منشائے مبارک سب کو سمجھاتے ہیں، گذر چکا ہے کہ مدینہ کے زمینداروں کے خاندان کے ممتاز افراد حضرت ظہیر اور اُن کے بھائی مہیر یا مظہر نامی حضرت رافع بن خدیج کے دونوں چچا نیز اُن کے چچا زاد بھائی اسید بن ظہیر اور ان کے اموں کو بلا کر اپنے اس پیغام کے ساتھ بھیجتے ہیں کہ آئندہ زمینوں کو کرایہ پر بندوبست نہ کیا جائے، ان ہی زمینداروں کے خاندان بنی حارثہ میں پہنچ کر یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اپنی برادری والوں کو آگاہ کرتے ہیں، اور اس سے بھی

زیادہ یہ ہے کہ زمین کے متعلق جو آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ

الارض ارض اللہ — زمین اللہ کی زمین ہے،

اس کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو عملاً یہ فیصلہ کر کے کہ زمین کے مالک (یعنی زمیندار) کو آپ نے کچھ نہ دلایا گویا یہ سمجھا دیا کہ جیسے ہوا، روشنی، فضا، حرارت وغیرہ کو بھی نباتات کے اگانے میں دخل ہے، لیکن جیسے ہوا کو قدرت کی ہوا، آفتاب کی روشنی اور حرارت کو قدرت کی روشنی اور حرارت قرار دے کر کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی خاص علاقہ کی ہوا یا روشنی و حرارت کو اپنی طرف کسی ذریعہ سے منسوب کرے، اور اس علاقہ کی ہوا یا روشنی و حرارت سے فائدہ اٹھانے والوں سے کسی شکل میں کرایہ وصول کرے، بجنسہ یہی حال مٹی کے اس تودے کا ہے، جس کو ہم زمین کہتے ہیں،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہوا نور و حرارت وغیرہ قدرتی چیزوں کے متعلق کرایہ وصول کرنے کا رواج چونکہ دنیا میں نہیں ہوا، اس لئے اُن کے متعلق تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ تاریخ کے کس عہد سے مٹی کے اس تودے اور خاک دھول کے اس مجموعہ کے خاص رقبہ کو اپنی طرف منسوب کر کے اس رقبہ میں کاشت کرنے والوں سے کرایہ کے وصول کرنے کا رواج چلا آرہا تھا، بلکہ رفتہ رفتہ یہ رواج اتنا قوی اور مستحکم ہو گیا کہ سب کچھ اسی کا سمجھا جانے لگا جس نے اپنی طرف زمین کے اس خاص رقبہ کو منسوب کر لیا تھا، یا کسی وجہ سے منسوب کرنے کا اس کو موقع مل گیا تھا، اور اس پر کاشت کرنے والے غریبوں پر گویا سمجھا جاتا تھا کہ زمین کا مالک احسان کر رہا ہے، جو بیج بونے کی اجازت اپنی زمین میں خاص شرطوں کے ساتھ دیدی، اسی لئے من مانے مطالبات زمین کے مالک وصول کرتے تھے، اور بلا چون و چرا غریب کاشتکار اُن کے مطالبات کو پورا کرتا رہتا تھا،

میں نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی زمین کے متعلق اس نظریہ کو کسی نے پیش کیا ہو کہ جیسے ہوا، روشنی وغیرہ قدرتی چیزیں ہیں، زمین بھی ایک عام قدرتی عطیہ ہے، جس پر کام

کے بغیر استفادہ کا کوئی حق اُن لوگون کو نہین پہنچتا، جن کی طرف منسوب ہو کر زمین کے کسی رقبہ کو اُن کی ملک قرار دے دیا گیا ہو،

بس کچھ تو رواج کی عمومیت اور نامعلوم زمانہ سے قلوب مین اس رواج کی استواری واستحکام اور کچھ اس لئے بھی کہ عرب خصوصًا حجاز ایک غیر زرعی علاقہ تھا، آپ پڑھ چکے ہین کہ مدینہ مین لوگ نخلستانون اور کھیتون کا کچھ کام بھی جو کرتے تھے، تو براہِ راست خود کرتے تھے، زمین کے مالک بن کر دوسرون سے آمدنی وصول کرنے کا طریقہ جہان تک معلوم ہو سکا ہے، صرف ایک خاندان بنی حارثہ ہی کی حد تک محدود تھا اور آگاہ کرنے کی جتنی ممکنہ صورتین تھین (بنی حارثہ کے ان زمیندار گھرانون کو ان ذرائع سے مطلع کرنے مین کوشش کا کوئی دقیقہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اٹھا نہ رکھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کاروبار سے جن لوگون کا تعلق نہ تھا، اُن کو اس سے دلچسپی لینے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی تھی، ہر ایک اپنے اپنے کام مین مشغول تھا، یہ اور اسی قسم کے دوسرے اسباب کا شاید نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد مسلمانون پر جب فتوحات کا دروازہ وسیع ہوا، عرب سے باہر کے ممالک مین باطمینان زمینداری کے طریقہ سے آمدنی لوگ حاصل کر رہے تھے، اور طرفہ تماشا اسی کے ساتھ یہ بھی پیش آیا کہ مدینہ منورہ کے زمیندارون کے خاندان بنی حارثہ کے جن بزرگون کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے براہِ راست مسئلہ سمجھایا تھا، اور انہی کی زبانی اپنا فرمان بنی حارثہ کے دوسرے افراد تک پہونچایا تھا، یعنی حضرت رافع بن خدیج کے چچا ظہیر ومہیر ان کے ماموں اور شاید حضرت اسید بن ظہیر بھی، ان سارے بزرگون کی وفات ہو چکی تھی، ان سب کی جانشینی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ ہوئی،

اصابہ مین لکھا ہے کہ

کان عریف قومہ بالمدینۃ (ص ۱۰۶)

اپنی قوم (بنی حارثہ) کے وہی نمایندہ تھے مدینہ مین،

یہی صورتِ حال تھی جبکہ مسلمانون کو جہان کہین موقع مل رہا تھا، دوسرون کی دیکھا دیکھی زمینداری کا معاملہ بھی کرنے لگے کہ اچانک ذکر کرنے والے اس فرمان نبوی کا چرچا کرنے لگے، جو بنی حارثہ کے زمیندارون مین مختلف ذرائع سے پہنچا تھا، کیونکہ عملاً آمدنی حاصل کرنے کا یہ طریقہ گو بنی حارثہ ہی والون مین مروج تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابیون تک بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث پہنچ چکی تھی، حافظ ابن حزم نے لکھا ہے کہ

قد روی النھی عن الکراء جملۃ للارض جابر وابو ھریرۃ وابو سعید وابن عمر، (جلد ۵ ص ۲۲۰)

زمین کو مطلقاً کرایہ پر بندوبست کرنے کی ممانعت والی حدیث (رسول اللہ کے صحابیون) حضرت جابر و ابوہریرہ و ابوسعید خدری اور ابن عمر سے بھی مروی ہے،

صحیح طور پر یہ کہنا تو دشوار ہے کہ ان صحابیون نے براہِ راست اس حکم کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا تھا، یا مدینہ کے زمیندارون کے اسی خاندان بنی حارثہ کے بزرگون سے یہ خبر ان تک پہنچی تھی، کم از کم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق تو یقین کے ساتھ یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ براہِ راست ان کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سننے کا موقع نہ ملا تھا، صحاح ستہ مین اُن کے متعلق یہ روایت پائی جاتی ہے کہ عدم واقفیت کی وجہ سے وہ کرایہ پر کچھ دن تک اپنی زمین بندوبست کیا کرتے تھے، تا اینکہ ان کو یہ اطلاع ملی کہ بنی حارثہ کے زمیندارون کو اس کاروبار سے رسول اللہ نے روک دیا تھا، سننے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بنی حارثہ والون مین پہونچے، حضرت رافع بن خدیج سے اُن کی ملاقات ہوئی، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس خاندان کے ان بوڑھے زمیندارون کی وفات ہو چکی تھی، جن کو براہِ راست رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے منشاء سے آگاہ کیا تھا، صرف یہی رافع بن خدیج ہی رہ گئے تھے، انھون نے اپنے چچا وغیرہ کے حوالے سے ابن عمر کو مطلع کیا کہ جو بات آپ تک پہنچی ہے یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع فرمایا تھا، یہ صحیح ہے کہ اپنے بزرگوں سے میں نے یہی سنا ہے،

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام طور پر اس حکم کی اشاعت صحابہ کرام میں نہ ہو سکی، حتی کہ ابن عمرؓ جیسے آدمی بھی ناواقف تھے، اور جیسے ابن عمرؓ کو خبر ہوئی رفتہ رفتہ دوسروں تک بھی یہ بات پہونچی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بنیاد جس حقیقت پر قائم تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تہ تک بہت سے حضرات پہنچ نہ سکے، خیال ان کو یہی ہوا کہ دھوکہ اور فریب جھگڑے رگڑے کا خطرہ بندوبست کرنے کی جن صورتوں میں پیدا ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ان ہی کی حد تک محدود ہوگا،

کنز العمال میں مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سالم کی طرف ایک روایت منسوب کی گئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بیچارے حضرت رافع بن خدیجؓ ہی پر وہ تشدد کا الزام لگاتے تھے، کہا کرتے تھے،

اکثر رافع بن خدیج علی نفسہ،	اپنے اوپر رافع نے زیادتی سے کام لیا تھا،

اور اس عام خیالی کو کہ ہر چیز کا مالک جب اپنی مملوکہ چیز سے مستفید ہو سکتا ہے، مکان کو کرایہ پر چلا کر کرایہ لے سکتا ہے، یا اونٹ، بیل گاڑی، سب ہی کا لوگ کرایہ لیتے ہیں تو زمین کا مالک بھی اپنی مملوکہ زمین کو بندوبست کرکے کرایہ کی آمدنی کیوں نہیں لے سکتا، حضرت سالمؒ کبھی کبھی قسم کھا کر کہا کرتے تھے،

واللہ لنکرینھا کراء الابل	خدا کی قسم جیسے اونٹ کو کرایہ پر چلایا جاتا ہے، میں اپنی زمین کو کرایہ پر دوں گا،
(کنز ج ۸، ص ۳۰۷)	

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہئے یا عبرت انگیز لطیفہ تیسری صدی کے عالم امام ابو جعفر طحاوی المصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی نظریات کی وکالت میں جاننے والے جانتے ہیں

شاید وہ اپنی آپ نظیر ہیں،

لیکن اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ساحل نیل کے زرعی خطہ کے جس خاص ماحول میں وہ گھرے ہوئے تھے، اور کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے زرعی ممالک کی طرح زمینوں کو ان کے مالک بندوبست یعنی زمینداری و جاگیرداری کی شکل میں آمدنی نہ حاصل کرتے ہوں گے،

بظاہر اسی کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ آیا جس میں کام کرنے والوں کو ان کے کام کے مطابق معاوضہ دلایا گیا، اور زمین کے مالک یعنی زمیندار کے حق کو لغو اور بے بنیاد ٹھہراتے ہوئے جو کچھ پیدا ہوا تھا، اس کا مستحق تخم دینے والے کو قرار دیا گیا، تو سندًا اس پر اعتراض کی گنجائش جب امام طحاوی کو نظر نہ آئی، تب اس عجیب و غریب دعوی کو پیش کرتے ہوئے کہ کھیت کی مٹی میں ملا دینے کے بعد تخم کا وجود تو غائب، اور مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے، پھر جو چیز نابود ہو کر کھپ کھپا گئی، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو بنیاد بنا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ تخم والے ہی کو دلا دیا ہو، اور زمین جو ہر حال میں قائم و دائم رہتی ہے اسی کے مالک کو کچھ نہ دلایا جائے مبسوط میں شمس الائمہ سرخسی نے طحاوی کے اس نظریہ کو ان الفاظ میں کیا ہے،

قال البذر یصیر مستھلکاً	یعنی تخم تو مٹی میں مل کر ملیامیٹ ہو جاتا ہے، اور جو کچھ اگتا ہے زمین ہی کی قوت
النبات یحصل بقوۃ الارض،	نشو و نما سے اگتا ہے،

اور اسی کو واقعہ قرار دیتے ہوئے طحاوی نے اپنی تائید میں یہ مثال بھی پیش کی ہے کہ جانوروں اور مویشیوں میں بچوں کی جو حقیقت ماں کے ساتھ ہوتی ہے، یعنی بچے ماں کے پیٹ سے جیسے پیدا ہوتے ہیں، اور جو ماں کا مالک ہوتا ہے وہی بچوں کا بھی ہوتا ہے، اسی طرح زمین کو بھی سمجھنا چاہئے کہ زرعی پیداواروں کی گویا وہ ماں ہے، اس لئے عقل کا اقتضاء یہی ہے کہ جو زمین کا مالک ہے، وہی اوگی

پیداواروں کا بھی مالک ہو، انھوں نے پوچھا ہے کہ مویشیوں میں جب یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بچے کس نر کے نطفہ یا تخم سے پیدا ہوئے ہیں، اسی نے نر جس کے تخم اور نطفہ سے بچے پیدا ہوتے ہیں، اس کے مالک کو کچھ نہیں ملتا، بلکہ سب کچھ اسی کا ہوتا ہے، جو بچوں کی ماں کا مالک ہوتا ہے، پھر اس کے بالکل برعکس بھلا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس کو سب کچھ ملنا چاہئیے تھا یعنی زمین کا مالک اس کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دلایا، اور جسے کچھ نہ ملنا چاہیئے تھا، یعنی تخم کا مالک، اسی کو سب کچھ دلا دیا گیا،

آپ دیکھ رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ صحیح سند کے ساتھ پیش ہو رہا ہے؛ لیکن ماحول اور رسم ورواج کے دباؤ کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے صاحب بصیرت غیر معمولی فہم وذکا رکھنے والے عالم کی نظر اس بنیاد تک نہ پہنچ سکی، جس پر دنیا کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مبنی تھا،

حیرت تو اس پر ہوئی ہے کہ شمس الائمہ سرخسی نے اگر طحاوی کی تنقید کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

ولكن هذا اوهم منه ۔۔۔ یہ ابو جعفر طحاوی کا وہم ہے،

اسی کے بعد اس کی بھی تصریح کی ہے کہ مستند راویوں، اور صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورۂ بالا فیصلہ جب مروی ہے، تو قیاس یعنی عقلی احتمال آفرینیوں کا اس کے مقابلہ میں وزن ہی کیا رہ جاتا ہے، پھر طحاوی کی اس قیاسی رائے کی تنقید کرتے ہوئے شمس الائمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کھیت کی مٹی میں مل کر تخم ملیا میٹ ہو کر کلیتہً نابود اور معدوم ہو جاتا ہے، یہ دعوی بھی طحاوی کا عجیب ہے، اگر یہی واقعہ ہوتا تو مختلف تخموں سے مختلف پیداوارین کیسے حاصل ہو سکتی تھیں، بلکہ جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے یہی رات دن کا مشاہدہ اور تجربہ ہے اور صرف یہی نہیں شمس الائمہ نے آگے بڑھ کر زمین اور جانوروں کی پیداوار میں جو فرق ہے اس کو بھی واضح کیا ہے، حاصل جس کا یہی ہے کہ مویشی میں تو بچوں کی ماں کا مالک مثلاً بکری کا مالک بکری کی پرورش کرتا ہے، اس کو کھلاتا ہے، پلاتا ہے، اور بکری اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، ان کو پالتی ہے، اس لئے بکری کا مالک

ہی بکری کے بچوں کا مالک قرار دیا جاتا ہے، لیکن نطفہ یا تخم جس سے بچے پیدا ہوتے ہیں، اس کے ساتھ نر کے مالک کے جذبات کا ظاہر ہے کہ کوئی تعلق نہیں ہوتا،[ل]

شمس الائمہ قریب قریب اس مسئلہ میں حقیقت تک گویا سمجھنا چاہیئے پہنچ چکے تھے، بآسانی اس کے بعد ان کے سامنے یہ بات آسکتی تھی کہ زمین کا مالک زمینداری کے طور پر اپنی زمین کو جب بندوبست کرتا ہے تو جو کچھ پیداوار ہوتی ہے اس میں زمیندار کے عمل اور اس کی کدوکاوش کو کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن باوجود اس کے جو آمدنی وہ حاصل کرتا ہے، اس میں اور اس طریقۂ کار میں کیا فرق ہے کہ کسی خاص علاقہ کی ہوا، یا روشنی اور حرارت، یا از این قبیل دوسری قدرتی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر کے آمدنی حاصل کی جائے،

مگر اب اسے کیا کہیئے کہ یہ سب کچھ فرمانے کے بعد بھی زمین کے مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دلایا"،

اس فیصلہ کے ماننے کی گنجایش شمس الائمہ بھی اپنے اندر پیدا نہ کر سکے، اور یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ

ان المراد من الالغاء انه لم يجعل ۔۔۔ (حق زمینداری) کو لغو قرار دینے کا مطلب
لصاحب الارض شيئا من الخارج ۔۔۔ یہ لیا جائے گا کہ پیداوار سے کچھ حصہ زمیندار
کو رسول اللہ ؐ نے نہیں دلایا،

اور خود اپنی طرف سے انھوں نے فرض کر لیا، کہ جیسے رواج کے مطابق فدان (ہل بیل) والے کو معاوضہ دلایا گیا، یعنی اجرِ مثل دلایا گیا تھا،

اسی طرح اس زمانہ کے دستور کے مطابق زمین کے مالک یعنی زمیندار کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرِ مثل کی صورت میں معاوضہ دلایا ہو گا،

مگر اس مفروضہ کی دلیل کیا ہے کیا بیان کرنے والوں نے صراحۃً یا کنایۃً اس کی طرف اشارہ کیا ہے؟

ل میں نے شمس الائمہ کے بیان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کر دیا ہے، ان کی اصل عبارت کے لئے دیکھئے مبسوط جلد ۲۳ ص ۱۶،

نہ اس کا کوئی جواب انھون نے دیا ہے، اور نہ دے سکتے تھے، کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہین کہ زمیندار کو پیداوار سے نہ سہی، باہر سے کسی قسم کا معاوضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلادیا تھا، لے دے کر بس یہی خیال سب کو پریشان کئے ہوئے ہے کہ زمیندار بیچارہ بھی تو آخر زمین کا مالک تھا، مزدور کو مزدوری ملی، ہل بیل والے کو اجرِ مثل دیا گیا، تخم والے کو تو ساری پیداوار ہی دلادی، لیکن سب سے بڑے حصہ دار مالک زمین اور زمیندار اسی کو کچھ نہ دلایا گیا ہو، یہ بات کسی طرح سمجھ مین نہین آتی، اور سچی بات یہ ہے کہ دنیا جن موروثی رواجون، اور عادتون کی زنجیرون مین تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے جکڑی چلی آتی تھی، ان زنجیرون کا ٹوٹنا اور اُن سے آزاد ہو کر سوچنے کا موقعہ آج بھی جب آسان نہین ہے تو ذرا سوچئے جب ساری دنیا جاگیردارون اور زمیندارون ہی کی دنیا تھی، دنیا کی ساری حکومتین، اُن کی پشت پناہ تھین، خصوصاً تاریخ کا وہ عہد جس مین مشرق ایرانی شہنشاہیت کے آثار کی بیڑیون مین، اور مغرب رومن امپائر کے پنجون مین گرفتار تھی، جاگیردارون اور زمیندارون پر ان شہنشاہیتون کی دیوارین قائم تھین، اسی لئے اس دیوار کی ہر اینٹ چھوٹی ہو یا بڑی، ان ہی جبار حکومتون کی سرپرستی مین خود بھی محفوظ تھی، اور اُن کے مفروضہ حقوق بھی محفوظ تھے اتنے قطعاً مخالف اور حد سے زیادہ ناموزون زمانہ مین سچ پوچھیے تو جو کچھ بھی ہو گیا، اور جس حد تک ابنِ آخر محمد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کے جس پہلو کی تعمیل کی بھی سعادت دنیا کو میسر آئی، مین تو اسی کو غنیمت اور بسا غنیمت سمجھتا ہون،

(باقی)

جنایات بوجہ غفلت

تیسری فصل

دورانِ ملازمت

از

ڈاکٹر محمد غوث ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

(۶)

اس سے پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ آقا اور ملازم کے تعلق سے آقا کو ملازم کے افعال کا دو شرطون کی ایک ساتھ موجودگی مین ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، ایک آقا اور ملازم کے تعلق کا وجود، دوسرے یہ کہ ملازم سے جنایت کا صدور ملازمت کے دوران مین ہوا ہو،

آقا اور ملازم کے تعلق اور اس سلسلہ مین پیدا ہونے والی مختلف صورتون کو اس سے پہلی فصل مین واضح کیا جا چکا ہے، اس فصل مین دورانِ ملازمت اور اس کے متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالی جائیگی،

قانون انگلستان کی رو سے کوئی آقا اپنے کسی ملازم کے خلاف قانون فعل کا دیوانی ذمہ داری کی حد تک، اس وقت تک ذمہ دار قرار نہین دیا جاتا، جب تک ملازم کا فعل دورانِ ملازمت مین صادر نہ ہوا ہو[1]، یعنی آقا ملازم کی غفلت کا اُس وقت ذمہ دار ہوگا جب کہ غفلت کا ارتکاب ملازم نے اپنی ملازمت کے اثناء مین کیا ہو،

---

[1] سامنڈ، لاآف ٹارٹس ص ۴ ۱۱ ۱۹۲۸ء نیز انڈر ہل قانون ٹارٹ ترجمہ بیجا بحث ص ۵۶،

اس سلسلہ مین مندرجہ ذیل پانچ امور کے متعلق غور کرنا ہے،

۱- آقا کی اجازت سے خلافِ قانون فعل کا ارتکاب،

۲- کارِ مجاز کی انجام دہی مین خلافِ اجازت کسی دوسرے طریقہ پر عمل کرنا،

۳- ملازم کا کوئی کام آزاد فعل ہونا،

۴- کسی خاص قسم کے فعل کے لئے معنًی اجازت حاصل رہنا،

۵- کسی کام مین آقا کی صریح ممانعت کا اثر،

ان سب امور پر سلسلہ وار بحث کیجائے گی،

۱- آقا کی اجازت سے خلافِ قانون فعل کا ارتکاب

قانون انگلستان کا قاعدہ

انگلستان کے قانون کی رو سے اگر کوئی ملازم کسی ایسے خلاف قانون فعل کا ارتکاب کرے، جس کی آقا نے اجازت دی ہو تو یہ ارتکاب بدورانِ ملازمت ہوگا،[۱]

اسلامی قواعد

اسلامی فقہا نے عام طور سے تو یہ اصول قرار دیا ہے کہ فعل المامور کفعل الآمر،[۲]

اس سے قطع نظر خود مستاجر اور اجیر کے بارے مین بھی یہ تصریح ہے کہ فعل مامور المستاجر کفعل المستاجر بنفسہ،[۳]

اس اصول کے مطابق اگر کوئی اجیر مستاجر کے کہنے سے کسی خلافِ قانون فعل کا مرتکب ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مستاجر پر عائد ہوگی، لیکن اس کے ساتھ اسلامی اربابِ قانون نے ایک اہم شرط یہ قرار دی ہے کہ اگر اجیر کو یہ معلوم ہو کہ وہ مستاجر کے کہنے سے خلاف قانون فعل کا ارتکاب کر رہا ہے، تو اس صورت مین اجیر خود ہی ذمہ دار قرار پائیگا، اور اس قاعدہ پر عمل ہوگا کہ فی کل موضع لم یصلح الامر لم یضمن الآمر،[۴]

۱؎ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۱۵ اشاعۃ ۱۹۳۶ء ۲؎ مبسوط ج ۳ جلد ۲۷ ۳؎ ص ۲۰ جلد ۱۶ ۴؎ التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر محمود آفندی حمزاوی ص ۱۱ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ،

لیکن اگر اجیر کو علم نہ ہو تو مستاجر ذمہ دار قرار پائے گا،

چونکہ یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس سے نازک مباحث پیدا ہوتے ہین، اس لئے مسلمان فقہا نے اس مسئلہ اور اس سے پیدا ہونے والی صورتون پر بہت غور کیا ہے، جس کی وضاحت بے محل نہ ہوگی،

الف:- ایک مستاجر نے ایک شخص کو اپنا اجیر مقرر کیا، اجیر نے ایک دوسرے شخص کی مملوکہ زمین مین اس کے مالک کی بلا اجازت ایک گڑھا کھودا، اس کو یہ معلوم تھا کہ یہ زمین مستاجر کی نہین ہے، بلکہ دوسرے شخص کی ہے تو اس صورت مین ذمہ داری اجیر پر عائد ہوگی، کیونکہ وہ اس کا مجاز نہین تھا کہ اجرت دے کر یا اجرت لے بغیر تعدی کا ارتکاب کرے، اور دوسرے کی زمین مین گڑھا کھود دے، اگر اجیر کو علم نہین تھا، تو پھر ذمہ داری مستاجر پر عائد ہوگی، کیونکہ مستاجر نے اجیر کو دھوکہ دیکر کھدوایا، اس لئے مستاجر ہی ذمہ دار ٹھہرے گا،[۱]

ب: علامہ سرخسی نے بھی اس نوعیت کی ایک مثال بیان کی ہے، وہ یہ کہ ایک شخص نے چند آدمیون کو اپنا اجیر مقرر کیا، ان لوگون نے مستاجر کے لئے اس کے احاطہ سے باہر عام راستہ پر ایک باولی کھود دی، اس باولی مین ایک شخص گر کر فوت ہوگیا، تو اس صورت مین اگر اجیرون کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مقام جہان انھون نے باولی کھودی ہے مستاجر کے احاطہ سے باہر تھا، تو اس کی ذمہ داری اجیرون پر عائد نہ ہوگی، بلکہ مستاجر ہی ذمہ دار ہوگا،

کیونکہ اجیر تو معاوضہ پر کام کر رہے تھے، مستاجر نے انھین دھوکہ دیا، اور ان کو اس واقعہ سے واقف نہین کیا کہ وہ مقام اس کے احاطہ سے باہر تھا، اجیرون نے مستاجر کے اعتماد پر باولی کھودی تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ مقام خود مستاجر کے مملوکہ احاطہ مین شامل ہوگا، اس لئے دھوکہ کی مضرت دور کرنے کے لئے اجیرون کا کام مستاجر کی جانب منتقل ہوجائے گا، یہ قرار دیا جائے گا کہ گویا مستاجر نے خود ہی باولی کھودی،

۱؎ المغنی موفق الدین ابن قدامہ ص ۵۰۰ جلد ۹

اور اگر اجیرون کو یہ معلوم تھا کہ وہ مقام جہان انھون نے باولی کھودی ہو مستاجر کے احاطہ سے باہر تھا، اس صورت مین اجیر ذمہ دار قرار پائین گے، کیونکہ باولی کھود کر انھون نے جنایت کا ارتکاب کیا گو مستاجر نے اس کا حکم دیا تھا، لیکن یہ حکم شرعاً غیر معتبر ہوگا، کیونکہ مستاجر جائداد کا مالک نہین تھا اسلئے وہ اس مقام پر باولی کھودنے کا حکم نہین دے سکتا تھا، غرض مستاجر کے حکم کا اعتبار نہ مانا جائے گا اور خود باولی کھودنے والے (اجیر) ذمہ دار قرار دیئے جائین گے[1]،

یہان یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اسلامی ارباب قانون نے مسبب کے مقابلہ مین مباشر یعنی مرتکب فعل پر ذمہ داری عائد کی ہے، اگر کسی جنایت کے ارتکاب مین ایک شخص مسبب بنے، اور دوسرا مباشر تو ذمہ داری مباشر پر عائد ہوگی، اور وہ مسبب سے اپنی ادا کی ہوئی ہرجانہ کی رقم وصول کر سکے گا لیکن اگر دونون شخص مسبب ہون تو جس سے تعدی کا صدور ہوگا وہ ذمہ دار ہوگا[2]،

زیر بحث مسئلہ مین اس اصول کا اطلاق جس طرح ہوتا ہے، اس کی توضیح علامہ مرغینانی کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوگی،

ایک مستاجر نے چند اجیرون کو باولی کھودنے کا کام سپرد کیا، انھون نے مستاجر کے حکم سے اس کے مملوکہ احاطہ سے باہر باولی کھودی، اگر یہ بات اجیرون کو معلوم نہین تھی کہ یہ زمین مستاجر کی مملوکہ نہین ہے، تو ذمہ داری مستاجر پر عائد ہوگی، اجیرون پر عائد نہ ہوگی، کیونکہ اجارہ کا معاہدہ اپنے ظاہری مراتب کی تکمیل کے لئے صحیح اور قابل عمل ہوتا ہے، اس لئے جب اجیرون کو اصل صورت حال کا علم نہ ہو، تو ان کا فعل مستاجر کا فعل شمار ہوگا، کیونکہ مستاجر نے اجیرون کو دھوکہ مین رکھا، یہ مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے، کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک بکری ذبح کرنے کے لئے کہا، اس نے اس کی

---

[1] مبسوط ص ۱۵، ۱۶، جلد ۲۶، نیز ملاحظہ ہو بدائع الصنائع علاء الدین کاشانی ص ۲۷۰ جلد ۷،

[2] التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر ص ۸ قاعدہ ۳۵،

اجازت کی بنا پر بکری ذبح کر دی، اور بعد مین یہ علم ہوا کہ بکری آمر کی مملوکہ نہین تھی، تو مامور (ذبح کرنے والا) ذمہ دار ہوگا، البتہ اس کو آمر سے ہرجانہ وصول کرنے کا حق رہے گا، کیونکہ یہان مامور مباشر ہے، اور آمر مسبب، اور ذمہ دار قرار دینے مین مباشر کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے وہی ذمہ دار ہوگا، البتہ آمر نے جو دھوکہ دیا ہے، اس کی بنا پر مامور کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ آمر سے ہرجانہ کی رقم وصول کرے لیکن باولی کھودنے کے مسئلہ مین، ابتدائی ذمہ داری خود مستاجر پر عائد ہو جاتی ہے، کیونکہ اس صورت مین مستاجر اور اجیر دونون مسبب ہین، مباشر نہین، اور اجیر سے تعدی کا صدور نہین ہوا ہے، مستاجر سے ہوا ہے، اس لئے ذمہ داری مین وہی مرجح ہوگا، البتہ اگر اجیرون کو اس کا علم تھا کہ انھین جس مقام پر باولی کھودی ہے، وہ مقام مستاجر کے احاطہ سے باہر تھا، تو ذمہ داری اجیرون پر عائد ہوگی، کیونکہ غیر مملوکہ جائداد مین مستاجر کو اس قسم کے حکم دینے کا کوئی اختیار نہین تھا، اور جب اجیرون کو اس کا علم تھا، تو وہ دھوکہ مین بھی نہین تھے، اس لئے وہ اپنے فعل کے ذمہ دار ہون گے[1]۔

ج: مذکورۂ بالا حکم اس صورت مین اجیر اور مستاجر کی ذمہ داری کے بارہ مین ہے، جب گڑھا کھودنے کی بنا پر اس مین کوئی انسان یا حیوان گر جائے، جس سے اس کو نقصان پہنچ جائے، لیکن اگر کسی دوسرے کی مملوکہ زمین مین گڑھا کھودنے کی بنا پر زمین کا مالک ہرجانہ طلب کرے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا، اس صورت مین اگر اجیر کو علم تھا کہ زمین آمر کی مملوکہ نہین ہے، تو ہرجانہ کا دعویٰ اجیر ہی پر ہوگا، اور مامور کو آمر پر دعویٰ کرنے کا حق نہ ہوگا، کیونکہ آمر اس قسم کا حکم دینے کا مجاز ہی نہ تھا، اور اجیر دھوکہ مین بھی نہین تھا، لیکن اگر اجیر کو علم نہین تھا، اور اس کو مستاجر نے دھوکہ دیا تھا، تو بھی ابتدائی ذمہ داری اجیر پر عائد ہوگی کہ وہ یہان مباشر ہے، البتہ آمر سے اپنی دی ہوئی ہرجانہ کی رقم وصول کرنے کا مجاز رہیگا[2]۔

خلاصۂ بحث | ان بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی فقہا نے مستاجر کے خلاف قانون احکام کی تعمیل

---

[1] ہدایہ ص ۸۰ ج ۵ جلدین آخرین [2] التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر ص ۱۵،

کی صورت مین اجیر پر ذمہ داری عائد کرنے مین اول اُس کے علم اور عدم علم کا اعتبار کیا ہے، پھر یہ دیکھا ہے کہ اس کی حیثیت مباشر کی ہے یا متسبب کی، اگر اجیر مباشر ہے اور اُس کو اس کا بھی علم ہے کہ وہ ایک خلافِ قانون فعل کا مرتکب ہو رہا ہے تو پھر ہرجانہ کی ادائی کا بوجھ وہی ذمہ دار ہوگا، اور اسکو اپنی ادا کی ہوئی ہرجانہ کی رقم بھی متاجر سے وصول کرنے کا حق نہ ہوگا، اور اگر اجیر مباشر تو ہے لیکن اُس کو علم نہین ہے تو اس صورت مین گو اجیر پر ذمہ داری عائد ہو جائے گی، لیکن اس کو متاجر سے رقم ہرجانہ وصول کرنے کا حق حاصل رہے گا،

اور اگر اجیر متسبب ہو اور اس کو علم بھی ہے تو وہی ذمہ دار ہوگا، اور اس کو اپنے نقصان کی تلافی کے لئے متاجر کی جانب رجوع کرنے کا حق نہ ہوگا، اور اگر اجیر متسبب ہو، اور اس کو علم بھی نہ ہو تو اس شکل مین متاجر تنہا ذمہ دار ہوگا، اور اجیر پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی،

انگلستان کے قانون مین آقا کو مطلق ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، لیکن اسلامی فقہار نے عدل و انصاف کے وسیع تر مفہوم مین، متاجر اور اجیر کی ذمہ داری مین مناسب حدین مقرر کر دی ہین،

۲- ملازم کی جانب سے کارِ مجاز کی انجام دہی مین ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی اجازت نہ دی گئی ہو،

اس سلسلہ کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ملازم کی جانب سے کسی کارِ مجاز کی انجام دہی مین ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس کی آقا نے اجازت نہ دی ہو تو ذمہ داری کا تعین کس طرح ہوگا،

انگریزی قانون انگریزی قانون کی رو سے اس صورت مین بھی آقا ذمہ دار ہوگا، سرجان سامنڈ نے صراحت کی ہے کہ اس طریقہ سے کام انجام دینا، "ارتکاب بدورانِ ملازمت" مین شامل ہے،[51] "ملازم کی ایسی جنایات کے سلسلہ مین جو آقا کی اجازت کے بغیر صادر ہوئے ہون، آقا کی

[51] لا آف ٹارٹس ص ۱۵۰ اشاعۃ ۱۹۲۸ء،

ذمہ داری صرف اس حد تک ہے، جب کارہائے مجاز کو خلاف قانون طریقہ سے انجام دیا جائے"[51]

اسلامی فقہا کی رائین اس سلسلہ مین اسلامی فقہار نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ اگر اجیر خاص سے عمل ماذون کے دوران مین کوئی اتلاف وقوع مین آئے، تو وہ ذمہ دار نہ ہوگا، مبسوط مین اس کی صراحت ایک سے زیادہ موقع پر کی گئی ہے، ایک جگہ یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ان الاجیر الخاص لا یکون ضامنا فی ما یتلف بعمل الماذون فیہ"[52]

اس قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل ماذون یا کارِ مجاز کے دوران مین کوئی ایسا کام انجام دیتے ہوئے جس کی آقا نے اجازت دی ہو، ملازم سے کوئی اتلاف وقوع مین آجائے تو ذمہ داری ملازم پر عائد نہ ہوگی، یہ قاعدہ بہت وسیع ہے، اور اس مین وہ اصول بھی مضمر ہے جو انگلستانی قانون مین قرار دیا گیا ہے، البتہ فقہار نے ملازم کے فعلِ عمد اور اس کے علم کے متعلق جو شرائط مقرر کئے ہین، وہ کسی صورت مین نظر انداز نہ کئے جائین گے، ملازم کے علم کے بارے مین کچھ تفصیل بیان ہو چکی ہے، فعل عمد پر کسی دوسری فصل مین تفصیلی بحث کیجائے گی،

۳- ملازم کے آزاد فعل کے اثرات

اگر ملازم کا کوئی فعل آزاد ہو، اور اس کو کارِ مجاز سے کوئی تعلق نہ ہو تو اس صورت مین کن قواعد پر عمل کیا جائے گا، اس بارے مین پہلے انگلستان کے قواعد پر روشنی ڈالی جاتی ہے،

قانون انگلستان کے اصول اس بارہ مین انگلستان کے قانون مین یہ تصریح کی گئی ہے کہ اگر ملازم کا کوئی فعل خواہ وہ خلاف قانون ہو، یا خلاف اجازت آزاد فعل ہو اور اس کو کارِ مجاز کی انجام دہی کے طریقہ سے کوئی تعلق نہ ہو، یا وہ اس طریقہ سے انجام نہ دیا جاتا ہو جس طرح ملازم نے انجام دیا ہے، تو اس صورت مین آقا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا، اور یہ قرار دیا جائے گا کہ ملازم کا فعل دورانِ ملازمت مین صادر نہین ہوا"[53]

[51] کلرک اور لنڈسل لا آف ٹارٹس ص ۵۰، اشاعۃ ۱۹۲۱ء [52] مبسوط ج ۱۵ جلد ۱۶ نیز ص ۱۲۱ جلد ۱۵ [53] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۱۵ اشاعۃ ۱۹۲۸ء

مثالیں اس قاعدہ کی توضیح ان مثالوں سے ہوگی،

۱- ایک بس کے کنڈکٹر نے سفر کے اختتام پر ڈرائیور کی عارضی عدم موجودگی میں واپسی کے لئے بس کو موڑا، جس سے بس کو ٹکر لگ گئی، اور اس کو نقصان پہنچا، اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا، اس نے فیصلہ کیا کہ کنڈکٹر کی غفلت سے جو نقصان ہو، بسوں کو چلانے والی کمپنی اس کی ذمہ دار نہیں ہے، بس چلانا کنڈکٹری کے فرائض انجام دینے کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا، حادثہ اس لئے واقع ہوا کہ کنڈکٹر نے اپنے ذاتی فرائض چھوڑ کر بلا اجازت ڈرائیور کے فرائض انجام دیئے[۱]،

۲- مگر ایک دوسرے مقدمہ میں خود بس کے ڈرائیور نے اپنے فرض کے برخلاف کنڈکٹر کو بس چلانے کی اجازت دی تھی، اس میں بسوں کو چلانے والی کمپنی ذمہ دار قرار دی گئی[۲]،

۳- ایک مقدمہ میں جس میں بس کے کنڈکٹر نے ایک بے قصور مسافر کو زبردستی بس سے نکال دیا، آقا (کمپنی) کو اپنے ملازم کے قصور کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا[۳]،

اسلامی فقہ کا قاعدہ اس مسئلہ میں علامہ سرخسی کے بتائے ہوئے قاعدہ سے رہبری ہوتی ہے، اُن کی رائے ہے کہ اجیر خاص پر کوئی ذمہداری عائد نہیں ہوتی، بجز اس صورت کے کہ وہ خلاف اجازت کام انجام دے، اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

"اجیر خاص فلا یضمن الا بالخلاف"[۴]،

ایک دوسرے مقام پر یہ قاعدہ دوسرے اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

"لاضمان علی اجیر الواحد الا اذا خالف ما امر بہ"[۵]

ایک مثال سے اس قاعدہ کی وضاحت ہوگی،

ایک قریہ کے باشندوں نے یہ انتظام کیا کہ ان میں سے ہر شخص باری باری سے اپنی گایوں کے

---

[۱] سامنڈ لاء آف ٹارٹس ص ۱۱۶، ۱۹۲۶ء [۲] ایضاً ص ۱۱۵، ۱۹۲۶ء [۳] ایضاً ص ۱۱۶، ۱۹۲۶ء [۴] مبسوط ص ۸۱، جلد ۱۶

[۵] ایضاً جلد ۱۵ ص ۸۰،

گلہ کی حفاظت کرے، ان لوگوں میں سے جب ایک شخص کی باری آئی، تو اس نے ایک اجیر مقرر کر لیا جو گایوں کو جنگل کی طرف لے گیا، اور تھوڑی دیر کے بعد قریہ میں واپس آیا، تاکہ جو گائیں چھوٹ گئی تھیں اُن کو لے جائے، اس عرصہ میں پہلی گایوں میں سے چند گائیں تلف ہوگئیں، اس صورت میں فقہا نے قرار دیا ہے کہ اگر یہ گائیں اجیر کی غیر حاضری میں ضائع ہوئیں، تو اجیر ذمہ دار ہوگا، کیونکہ جو حفاظت اس پر لازم تھی، وہ اُس نے ترک کر دی[۶]،

اس مثال سے ظاہر ہوا کہ مستاجر پر کوئی ذمہداری عائد نہ ہوگی، اجیر کا گایوں کے گلہ کو چھوڑ کر چلے جانا ایک ایسا آزاد فعل ہے، جس کا کار مجازہ انجام دینے کے طریقہ سے کوئی تعلق نہیں، کار مجازہ اس طریقہ سے انجام نہیں دیا جاتا،

غرض جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اگر اجیر کا کوئی فعل نفس معاہدہ کے خلاف ہو یا معاہدہ کی رو سے اس کا کوئی فعل معاہدہ کے تحت نہ آتا ہو، تو اس صورت میں اجیر کے فعل کو مستاجر کا فعل قرار نہ دیا جائے گا[۷]،

اس سے ثابت ہوا کہ اس بارہ میں قانون کے دونوں نظاموں میں پورا توافق ہے،

۴- اجازت کا واقعات سے مستنبط ہونا

اس نوعیت کے مقدمات میں اس کا امکان ہوسکتا ہے کہ کسی خادم کو آقا کی جانب سے کسی فعل کی اجازت دیئے جانے کا علم واقعات سے ہو،

انگلستانی قانون کی قرارداد انگلستانی قانون میں اس قاعدہ پر عمل ہوتا ہے کہ آقا کی اجازت واقعات سے مستنبط کی جاتی ہے، اور بعض حالات میں واقعات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ

---

[۶] فتاوی قاضی خان ص ۵، جلد ۲،

[۷] ہدایہ ص ۲۸۶ جلدین آخرین مطبوعہ ۱۳۰۳ھ،

ملازم کو خاص قسم کے افعال عمل میں لانے کی اجازت معناً حاصل ہوتی ہے، اس صورت مین آقا ذمہ دار قرار پائیگا لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس نوعیت کے مقدمات مین آقا اسی وقت ذمہ دار متصور ہوگا جب یہ ثابت ہو کہ ملازم نے فعل کا ارتکاب آقا کے اغراض کے پیش نظر کیا تھا، اپنی ذاتی غرض کیلئے نہین کیا تھا،[۴۹]

اس کی توضیح اس مثال سے ہوگی،

ایک ملازم گاڑی بان کو جب کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی مین مشغول نہ تھا، یہ نظر آیا کہ چند لڑکے اس کے آقا کے چھکڑے کو بظاہر چرانے لئے جا رہے ہین، اُس نے لڑکون کو چوری روکنے، اور اپنے آقا کے مال کی حفاظت کے لئے ایک لڑکے کو تھپڑ مارا جس سے لڑکا گر پڑا، اور اس کا پیر ضائع ہوگیا، تو آقا اُس کا ذمہ دار ہوگا،[۵۰]

اسلامی فقہی قواعد کی توضیح	بعض حالات مین کسی امر کی اجازت دلالۃً یا معناً حاصل ہونا اسلامی فقہ کا بھی

ایک مسلمہ اصول ہے، امام ابو الحسن الکرخی نے اپنے رسالۂ قواعد کلیہ مین ایک قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ

"ان للحالۃ من الدلالۃ کما للمقالۃ"[۵۳]

اس قاعدہ کی توضیح مین علامہ نجم الدین النسفی نے یہ مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص کے پاس اپنی کوئی شے امانت رکھوائی، ودیع نے اُس کو اپنے عیال مین ایک فرد کے پاس رکھوا دیا، اس کے پاس سے یہ چیز تلف ہوگئی، تو ودیع پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اگرچہ بوقت ودیعت مودع نے ودیع کو تلف شدہ چیز اپنے سوا کسی اور کے سپرد کرنے کی صراحۃً اجازت نہ دی ہو،[۵۴]

کیونکہ جب کسی چیز کو ودیعت کے طور پر ودیع کے سپرد کیا جاتا ہے تو مودع کو یہ علم ہوتا ہی ہے کہ

---

۵۰ و ۵۲ ساختہ لاافت ٹارٹس ص ۱۷، ۱۹۲۰ء ۵۳ و ۵۴ رسالہ امام ابوزید الدبوسی کی تالیف تاسیس النظر کے ساتھ طبع ہوا ہے ص ۱، مطبوعہ قاہرہ،

ودیع کے لئے یہ امر ممکن نہین ہے کہ وہ خود ہی ودیعت کی دن رات حفاظت کرے، اس لئے مودع کی جانب سے ودیع کو دلالۃً اس قسم کی اجازت حاصل رہتی ہے کہ وہ ودیعت کی حفاظت اس طریقہ سے عمل مین لائے، جس طرح خود اپنے ذاتی مال کی حفاظت کی جاتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ودیع اپنے مال کی حفاظت کبھی تو خود کرتا ہے، اور کبھی اپنے اہل و عیال مین سے کسی کے سپرد کر دیتا ہے، اغرض مودع کی جانب سے اس قسم کی اجازت، اجازت صریح خیال کی جاتی ہے،[۵۵]

اس کی چند مثالین	اس مسئلہ کی وضاحت مین دو چار مثالین اور پیش کی جاتی ہین،

۱- ودیع نے اس وجہ سے کہ قاضی کی اجازت حاصل کرنا ممکن نہ تھا، مودع کی بلا اجازت اس کی امانت مین سے اس کے والدین پر کچھ رقم صرف کر دی، اس حالت مین ودیع پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی،[۵۶]

۲- اگر کوئی مسافر راستہ مین فوت ہوگیا، اور اس کے ساتھیون نے متوفی کا سامان فروخت کر کے تجہیز و تکفین کے مصارف کئے بعد جو رقم باقی بچی وہ وارثون کے حوالہ کر دی ہو تو ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اسی طریقہ سے اگر کسی شخص کی بے ہوشی کی حالت مین اس کی تیمارداری مین اس کے مال سے کچھ خرچ کیا جائے، تو اس مین بھی اس خرچ پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی،[۵۷]

۳- اگر کوئی شخص کسی شخص کا خریدا ہوا گوشت بلا اجازت پکائے، تو پکانے والا ذمہ دار ہوگا، لیکن اگر گوشت کے مالک نے خود ہی گوشت کی ہانڈی چولھے پر چڑھا کر لکڑیان لگا دین، اس کے بعد کسی دوسرے شخص نے آگ سلگا کر گوشت پکا دیا، تو پکانے والا کسی طرح ذمہ دار نہ ہوگا،

---

۵۵ رسالہ امام ابوزید الدبوسی ص ۵۲ رد المحتار، ص ۴۹۷ جلد ۵ مطبوعہ قاہرہ ۱۲۹۹ھ

۵۶ رد المحتار ص ۴۹۷ جلد ۵،

۵۷ فتاوی عالمگیری ص ۲۰۱ جلد ۵ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۵ ہجری،

۴۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کا کوئی بڑا برتن بطور خود اٹھالیا اور اس اٹھانے میں برتن ضائع ہوگیا، تو برتن اٹھانے والے پر ذمہ داری عائد ہوگی، لیکن اگر برتن کا مالک برتن اٹھانے کے لئے خود مجھسے اور دوسرا شخص، اٹھانے میں مدد کرے، اور اس میں برتن تلف ہوجائے، تو مدد دینے والے پر ذمہ داری نہیں ہے،[1]

۵۔ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے چوپایہ پر بوجھ لادے، اور اس کی وجہ سے چوپایہ مرجائے تو اس پر ذمہ داری عائد ہوگی، لیکن اگر خود مالک اپنے چوپایہ پر بوجھ لادے، اور راستہ میں بوجھ گر پڑے اور اس وقت دوسرا شخص اگر بلا اجازت بوجھ لاد دے، جس سے چوپایہ ہلاک ہوجائے تو لادنے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے،[2]

کیونکہ ان سب صورتوں میں اجازت دلالۃً حاصل ہے، اور جب تک صراحت سے منع نہ کیا جائے دلالت کا اعتبار کیا جائے گا،[3]

اجیر کے متعلق مثالیں

یہ مثالیں تو مطلق دلالۃً اجازت کی تھیں، لیکن خود اجیر کے متعلق بھی اسلامی قانون میں پوری صراحت موجود ہے، اس کی چند مثالیں بھی درج کرنا برمحل ہوگا،

۱۔ کسی دھوبی کے اجیر خاص نے دھوبی کے گھر میں دھونے کے کپڑوں کا بوجھ اٹھایا، اور ٹھوکر لگنے کی وجہ سے اجیر گر پڑا، جس کی وجہ سے بعض کپڑے پھٹ گئے، تو اس کی ذمہ داری دھوبی پر ہوگی، اجیر ذمہ دار نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس قسم کے کام کرنے کے لئے ماذون ہی ہے،

۲۔ کسی دھوبی کا اجیر دھوبی کے کہنے سے چراغ جلانے کے لئے آگ لے آیا، اس کی ایک چنگاری دھونے کے کپڑوں میں سے کسی کپڑے پر جا پڑی، جس سے کپڑے میں نقص پیدا ہوگیا، اجیر نے اپنے ہاتھ سے چراغ نیچے رکھا، چراغ کا تیل دھونے کے کپڑوں میں سے ایک کپڑے پر گر گیا، جس سے کپڑے میں عیب

[1] فتاوی عالمگیری ص ۲۰۱ جلد ۵ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۵۴ھ [2] ایضاً [3] ایضاً،

پیدا ہوگیا، تو ان دونوں صورتوں میں ذمہ داری آقا پر ہوگی، کیونکہ چراغ روشن کرنے اور آگ لانے کے لئے اجیر ماذون ہے،

۳۔ ایک اجیر کے ہاتھ سے جو خدمت میں مشغول تھا، کوئی چیز نیچے گر کر ٹوٹ گئی، تو اجیر پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی، خواہ مال خود آقا کی ملکیت کیوں نہ ہو، کیونکہ اجیر تو اس نوعیت کے کاموں کی انجام دہی کے لئے امور کیا ہی جاتا ہے،[4]

ملازم کا فعل آقا کے اغراض کیلئے ہونا چاہئے،

اس سے قبل یہ مسئلہ بیان ہوچکا ہے کہ انگلستان کے قانون میں اس قاعدہ کا ایک جزو یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات میں آقا اسی وقت ذمہ دار قرار پاتا ہے جب یہ امر ثابت ہوجائے کہ ملازم سے فعل کا ارتکاب آقا کے اغراض کے لئے ہوا تھا، اپنے اغراض کے لئے نہیں،

اسلامی ارباب قانون کو بھی اس اصول سے اختلاف نہیں ہے، چنانچہ محمود آفندی الحمزاوی نے آمر کی ذمہ داری کا حصر کرتے ہوئے چوتھی شکل یہ بیان کی ہے کہ مامور کے کام کا فائدہ آمر کی ذات کیلئے ہو،[5] اور جو صورت آمر و مامور کی بیان کی گئی ہے، وہی صورت متاجر اور اجیر پر بھی منطبق ہوتی ہے،

۵۔ کسی کام کے کرنے سے ملازم کو آقا کی ممانعت

جو مسائل اوپر بیان ہوئے ہیں، ان کے تعلق سے ایک اور اصول بھی قابل لحاظ ہے، وہ یہ ہے کہ اگر آقا نے ملازم کو کسی فعل کے عمل میں لانے سے صراحت کے ساتھ بھی منع کیا ہو، تو اس حالت میں بھی آقا ذمہ داری سے بری نہیں ہوسکتا، بشرطیکہ فعل مرتکبہ کارمجاز کو عمل میں لانے کا ایک طریقہ ہو،[6] مثلاً: ایک موٹر چلانے والے نے راستہ میں اس طرح موٹر چلائی، کہ دوسرے شخص کو اپنی موٹر چلانے

[4] یہ تینوں مثالیں مبسوط سرخسی سے ماخوذ ہیں، ص ۱۱ و ۱۲ جلد ۱۶ [5] التحریر فی ضمان الآمر والمامور والاجیر ص ۱۸ [6] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۰۱ ۱۹۲۸ء،

مین رکاوٹ پیدا ہوئی، جس سے پہلی موٹر چلانے والے کی غفلت کی بنا پر حادثہ وقوع مین آگیا، اس کے مقدمہ مین پہلی موٹر چلانے والے کے آقا نے یہ عذر کیا کہ اُس نے اپنے ملازم کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ دوسری گاڑیون کے چلنے مین نہ تو رکاوٹ پیدا کرے اور نہ شرطا باندھے مگر اس عذرداری کے باوجود آقا ذمہ دار قرار دیا گیا،[۵۷]

اس قاعدہ کے متعلق متداول فقہی کتابون مین کوئی سند نہین مل سکی، لیکن بظاہر اس قاعدہ سے بھی اسلامی اربابِ فقہ کو کوئی اختلاف نہین ہو سکتا،

خلاصۂ فصل | دورانِ ملازمت کے مسائل کے متعلق جو بحث اس فصل مین کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱:- اگر ملازم سے کسی ایسے خلاف قانون فعل کا ارتکاب عمل مین آئے، جس کی آقا نے اجازت دی، ہو تو قانون انگلستان کی رو سے آقا ذمہ دار ہو گا، لیکن اسلامی اربابِ قانون نے اس مین ایک شرط یہ رکھی ہے کہ اگر ملازم کو اس کا علم ہو کہ وہ آقا کے حکم سے ایک خلاف قانون فعل کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس صورت مین خود ملازم ذمہ دار قرار پائے گا، اور اگر اس کو یہ علم نہ ہو، تو آقا ذمہ دار ہو گا،

۲:- قانون انگلستان کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر ملازم کسی کارِ مجاز کی انجام دہی مین کوئی طریقہ ایسا اختیار کرے جس کی آقا نے اجازت نہ دی ہو تو اس صورت مین بھی آقا ذمہ دار ہو گا،

جہان تک اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی فقہاء کے یہان بھی یہ اصول مسلّم ہے،

۳:- اگر ملازم کا فعل آزاد فعل ہو اور کارِ مجاز سے اس کو کوئی تعلق نہ ہو تو دونون نظامہائے قانون مین آقا پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی،

---

۵۷ سامنڈ لاآف ٹارٹس ص ۱۱، ۱۹۲۶ء

۴:- دونون نظامہائے قانون کا اس پر اتفاق ہے کہ بعض وقت اجازت دلالۃً حاصل ہوتی ہے،

یہ مسئلہ بھی دونون کا متفقہ ہے کہ آقا اسی وقت ذمہ دار ہو گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ ملازم نے فعل کا ارتکاب آقا کے اغراض کے مدنظر کیا تھا، خود اپنے ذاتی مقاصد کے تحت نہین، اور کسی فعل سے آقا کی صریح ممانعت بھی آقا کو ملازم کے اس فعل کی ذمہ داری سے نہین بچا سکتی، (باقی)

مرزا غازی بیگ ترخان

از

از جناب سید اختر مسعود صاحب ایم اے، ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی

(۲)

غازی بیگ خان سپہ سالار و منتظم کی حیثیت سے

غازی بیگ غیر معمولی فوجی قابلیت کا حامل تھا، انیس سال کی عمر میں جہانگیر نے اوس کو اپنی سلطنت کے اہم ترین سرحدی علاقے قندھار کی حفاظت کے لئے ایک بڑی فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیج دیا، کچھ ہی عرصہ پہلے غازی بیگ کے باپ جانی بیگ نے اکبر کے خلاف سخت جنگ کی تھی، اس لئے اس کے محکوم ہوجانے پر اکبر نے جانی بیگ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے ہی میں مصلحت سمجھی، جانی بیگ کے بعد اس کا لڑکا غازی بیگ جانشین ہوا، اکبر نے اس کو طلب کیا، مگر اس نے ٹال دیا، اور دو سال بعد اپنی مرضی سے آگرے آیا، اُس کے آگرہ آنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد اکبر کا انتقال ہوگیا، بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو غازی بیگ پر اعتماد نہیں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ اس کی وفاداری کا اب تک کوئی اطمینان بخش امتحان نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود جہانگیر نے تخت پر بیٹھنے کے کچھ ہی دن بعد اس کو فوج کا سپہ سالار بنا کر قندھار بھیجا، قندھار میں اس کی کارگذاری اور انتظام سے بہت خوش ہوا، اور اس کو تصدِ خدمات پسندیدہ کہا،[۱] اور اس کے خدمات کے صلہ میں اس کو قندھار جیسے سرحدی علاقے کا گورنر بھی مقرر کردیا، تزک میں اُس نے غازی بیگ کی کئی جگہ تعریف کی ہے، ان باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غازی بیگ میں

[۱] تزک جہانگیری ص ۹۳۔

غیر معمولی فوجی قابلیت اور انتظامی صلاحیت تھی، اپنی رعایا کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا،[۱] مے خانہ میں ایک روایت ہے کہ قندھار میں ایک بھاٹ نے کسی بات پر ناخوش ہو کر اس کی ہجو لکھی، جو کسی طرح غازی بیگ تک پہنچ گئی، اوس نے حکم دیدیا کہ کل صبح سر دربار اُس کی زبان کٹوا دوں گا، تاکہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو، دوسرے دن سویرے بھاٹ سراسیمہ خوف سے کانپتا ہوا دربار میں حاضر کیا گیا، مگر سب کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ غازی بیگ نے سزا کے بجائے اُس کو ایک ہزار روپے کی تھیلی عطا کی، صاحب مے خانہ جو غازی بیگ کا معاصر تھا، اس موقع پر لکھا ہے کہ

"درین جزو زمان این قسم مروت و ہمتے از کسے سر نزدہ"

صاحب مآثر رحیمی نے لکھا ہے کہ[۲]

"اگر روزگار امانش می داد در شجاعت نام رستم و در سخاوت آوازۂ حاتم و در عیش و عشرت خسرو پرویز را گم نام می ساخت"

ایک جگہ اور لکھتا ہے،[۳]

"در طریق ملک داری و سلطنت درمیانہ سلاطین این روزگار ممتاز بود و رعیت و سپاہی بزمانِ حکومتِ او مرفہ الحال بودند"

تاریخوں میں اس کی قوتِ جسمانی تیغ اندازی، چوگان بازی، اور فنون سپہ گری میں مہارت کا بھی ذکر ملتا ہے،[۴]

موسیقی سے اس کو والہانہ شغف تھا، خود بھی گانے بجانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا، مآثر رحیمی میں ہے:۔

"در علم ادوار و موسیقی مہارت تمام داشت، چنانچہ می گویند، اصول ضرب الفتح و ماتین از دائرہ

[۱] تذکرۂ مے خانہ ص ۲۲۶ [۲] مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۴ [۳] و [۴] مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۲

برمی آورد و تصانیف در اصولہا کرد"

صاحب مآثر الامرار قمطراز ہین :-

"میرزا در نغمہ پردازی و طنبور نوازی بے نظیر بود ہمہ ساز را خوب می نواخت"

میخانہ کا مصنف لکھتا ہے :-

"در نغمہ شناختن و طنبور نواختن ہم خیلے کار ساختہ، چنانچہ ہنگام طنبور نواختن ہمیشہ مضراب دست او ناخنے بر دل می زد، مرشد بروجردی درین دو رباعی مدح او گفتہ اظہار این معنی نمودہ است"

یہ دو رباعیان حسب ذیل ہین :-

گر نغمۂ سازت بہ سکون می آید — در زیست بگو میت کہ چون می آید

از بس کہ بہ گز زخمہ ات می گردد — پیچیدہ ز طنبور برون می آید

دل می سوزد، ترنم پر شورت — جان می بخشد نوائے نیشاپورت

در سیم کشی عمر بسر برد شہاب — تار نکشید در خور طنبورت

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حالات کی بنا پر اس کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا لیکن اس کی قابلیت اور اس کے علم و فضل کا تذکرہ کئی جگہ ملتا ہے، بقول صاحب میخانہ :-

"برائے ہنرمندان و ضمیر ضیا گستران پوشیدہ نماند کہ میرزائے ترخان جامع الفضائل و الکمالات بود"

اس نے علم ریاضی اور نجوم مین بڑی اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، لیکن محبوب ترین مشغلہ شعر و سخن تھا شعر گوئی کا بے حد شائق تھا، اور شعراء کی صحبت سے بہت لطف اندوز ہوتا تھا، وقاری تخلص تھا، یہ تخلص اس نے قندھار مین ایک شخص سے اسپ و خلعت اور ہزار روپیے کے عوض خریدا تھا، خود صاحب دیوان تھا، اس کے

ف میخانہ ص ۲۲۶، ۲۲۸ و ۲۳۰، ف مآثر الامرا، ج ۳ ص ۴۴۵،

دیوان کا اب تک پتہ نہین چل سکا، مگر بقول صاحب میخانہ اس کا دیوان پانچ ہزار ابیات پر مشتمل تھا، اب بھی غازی بیگ کے متفرق اشعار مختلف مقامات پر ملتے ہین، میخانہ مین انھین اشعار کا اس کا ایک ساقی نامہ درج ہے، انھی کے موجودہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ معنی آفرینی، پرواز تخیل، نازک خیالی اور قدرت زبان کے لحاظ سے اس کا شمار خوشگو شعراء مین کیا جا سکتا ہے، اس کا کافی وقت متقدمین اور متاخرین کا کلام سننے اور قدماء کے اشعار کے تتبع مین صرف ہوتا تھا، وہ ذہین اور عالم تو تھا ہی، مشق سخن اور شعراء کی صحبت نے اس کے کلام مین بڑی صفائی اور نزاکت پیدا کر دی تھی، اس کے ہم عصرون نے بھی اس کے کلام کی داد دی ہے، جہانگیر نے تزک مین اس کی شعر گوئی کی اس طرح تعریف کی ہے،

"مرزا غازی فی الجملہ کمالے داشت، شعر ہم خوب می گفت این بیت از وست"

گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب — ابر ہر چند کہ گرید لب گلشن خندد"

صاحب مآثر رحیمی لکھتا ہے،

"ہمیشہ اوقات او باستماع سخنان متقدمین و متاخرین و بہ تتبع اشعار قدما صرف می شد و خود نیز متوجہ گفتن اشعار می شد و سلیقہ بہ غایت عالی داشت و تازہ گوئی را نیز طاق بلند نہادہ بود"

صاحب میخانہ رقمطراز ہے :-

"شعرش کم از شعرائے این جزو زمان نیست"

مرزا غازی بیگ کے کچھ اشعار ذیل مین درج کئے جاتے ہین :-

در شبستان جدائی شیوۂ ضعفم نگست — ہم چو عکس آئینہ بے منت جان زیستن

ف میخانہ ص ۲۲۶، ۲۲۸ و ۲۳۰، ف رر ص ۴۲ و ہم ماہ رمضان ۱۰۱۲ھ تزک ج ۲ ص ۱۵ ف مثنوی مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۱۲۲۶ تا ۱۲۵۲

مرا دلے ست چو سیماب، اضطراب زدہ — زخون و آبلہ چون بادہ حباب زدہ[1]

چشم بر دامن مژہ چندان گہر فشاند — کز چیدنش نگار دو دست زمانہ ماند

آوارگان کوے ترا تا نظارہ کرد — بلبل ز فکر ساختن آشیانہ ماند[2]

پاک دامان ترم از مردمک دیدہ شبے — غوطہ در خون جگر خوردم و رسوا گشتم[3]

شاخ مژہ ام سبز شد و غنچہ خون کرد — این باہمہ ز تربیت چشم پر آب است[4]

گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب — ابر ہر چند کہ گرید لب گلشن خندد

ساقی نامہ[5] مین محبوب اور شراب کی تعریف کس شاعرانہ انداز مین کرتا ہے۔

بہ باغ ار فتد عکس از روے یار — شود نوک ہر خار رشک بہار

دگر بر فلک چہرہ تابان کند — خور از شرم او چہرہ پنہان کند

دگر سوے آتش بہ ناز دمند — دگر شعلہ ز آتش نہ گردد بلند

رسد بوے او گر بہ باد بہار — ہمہ کوہ و صحرا شود مشک بار

بہ آب ار بہ شوید دو زلف سیاہ — بہ تاثیر سنبل شود ہر گیاہ

دگر سوے میخانہ نازان شود — مے از جا در شیشہ عریان شود

شراب کی تعریف :-

ازان مے کہ گر ریزیش در ایاغ — ایاغت فروزان شود چون چراغ

ازان مے کہ جان عکسی از نور اوست — ادیب خرد پاک دستور اوست

مے کو چو در جام گردان شود — چراغ دل مے پرستان شود

حرارت فزاے فسردہ دلان — کدورت زداے زد ماندگان

۱؎ مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۲ ۲؎ و ۳؎ ایضاً ۴؎ میخانہ ص ۲۲۸ ۵؎ ایضاً ص ۲۳۰

اگر یاد آن می رسد در ضمیر — شود چہرۂ دل بہ انسان منیر[1]

شعراء کے مربی کی حیثیت سے مرزا غازی بیگ ترخان کی شخصیت بہت اہم ہے، اس کی قدردانی اور سرپرستی کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا، عراق اور خراسان تک کے شعراء اور اہل استعداد اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر قندھار مین جمع ہو گئے تھے اور ان سب پر مرزا کے انعام و اکرام کی بارش ہوتی تھی صاحب میخانہ[2] لکھتا ہے،

"جوان خوش خوے و خوش روے و کریم بودہ و اکثر پاس خاطر ارباب معنی می داشت و بآن جماعہ بے تکلفانہ سلوک می کردہ و روش بہ مرتبۂ خوب و سخن و نقش بہ حدے مطلوب بود[3]"

اچھے اچھے سخن گو خود ہی اس کے پاس کھنچے چلے آتے تھے، اور جو نہین آسکتے تھے، ان کو وہ خود اصرار سے بلاتا تھا، مولانا شنائی تکلو اور میرزا فصیحی کو اس نے خراسان سے بڑی عزت کے ساتھ بلوانا چاہا قندھار سے ان کے لئے انعامات بھیجے، اگرچہ یہ دونون نہین آسکے لیکن دونون نے اس کی مدح مین اشعار لکھکر بھیجے،[4] مشہور شاعر مرشد خان بروجردی کو اس نے خطاب مرشد خانی[5] عطا اور منصب وکالت پر فائز کیا، مولانا اسد کو محفوظ خان[6] کا خطاب مرزا ہی نے دیا تھا، میر نعمت اللہ[7] وصلی کو سندھ مین ایک بڑے سرکاری عہدہ پر مامور کیا، فغفور گیلانی[8] جب میرزا غازی بیگ کے درباری شعراء کی نکتہ چینیون سے میرزا سے خفا ہوگیا، تو اس کو بڑی فکر پیدا ہوئی، اور افسوس ہوا، اس نے خود بھی معذرت لکھی اور اپنے شعراء سے بھی معذرت نامے لکھوائے، اور بڑے احترام سے اس کو قندھار آنے کی دعوت دی، انھین شاہانہ فیاضیون[9] اور قدردانیون کی وجہ سے قندھار مین مرزا کے گرد باکمال نغز گو شعراء کا اجتماع ہوگیا تھا، ان شعراء مین جو میرزا سے متعلق یا اس کے خوان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے، حسب ذیل خاص طور پر

۱؎ ص ۲۲۵ ۲؎ مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۳ ۳؎ میخانہ ص ۲۱۲ ۴؎ مآثر رحیمی جلد ۲ ص ۳۵۱ ۵؎ میخانہ بسلسلہ حواشی ص ۵۶ ۶؎ ۷؎ ص ۴۰۴ ۸؎ ص ۳۲۴

قابلِ ذکر ہین :-

(۱) مرشد بروجردی (۲) ملا اسد قصہ خوان (۳) طالب آملی (۴) محوی اردبیلی (۵) شمسائے زرین قلم، (۶) سہروردی (۷) میر عبد الباقی قصہ خوان (۸) میر الٰہی اسد آبادی (۹) میر نعمت اللہ وصلی شیرازی (۱۰) بنری کوزہ (۱۱) فغفور گیلانی (۱۲) سنجر کاشی (۱۳) شتابی تکلو (۱۴) میرزا فصیحی،

علم وادب، شعر گوئی اور سخن سنجی کا بازار پورے طور سے گرم تھا، میرزا کی سخاوت، مروت اور فیاضی کا دریا زور شور سے بہ رہا تھا کہ دفعۃً ۱۰۲۱ھ مین اس کا انتقال ہو گیا، پچیس سال کی مختصر عمر مین غازی بیگ کی غیر متوقع موت سے قندھار کی علمی وادبی اور شعری بساط ہی الٹ گئی، اور وہ تمام موتی جن کو اس نے بڑے شوق اور محنت سے جمع کیا تھا، یکا یک بکھر کر رہ گئے، صاحب ماثر رحیمی[لہ] لکھتا ہے :-

"اکثر مردمِ او چندان جفاکہ بر مستعدان کرد بر دیگران نہ کرد چراکہ امروز بجا و ملاذ اہلِ استعداد بردہ جمعے کثیر در ظلِ تربیتش آسودہ بودند"

افسوس ہو کہ خاندانِ ترخان کا یہ آخری اور سب سے زیادہ روشن چراغ صبح ہونے سے بہت پہلے ہی بجھ گیا، مرشد بروجردی نے اپنے مربی اور محسن کی جوان مرگی پر ایک دلسوز مرثیہ کہا، اشعار کیا کہے ہیں، خون کے آنسو ہین :[سلہ]

بے وجودِ خسرو ترخانیان در قندھار   چون علی در نہر دانم چون عمر در سبزوار

ہم سفر بود یم باہم در رہِ عرفان ولے   او بنائے عمر رفت و من بنائے روزگار

بزم گو در خاک غلطد رزم گو در خون نشین   کین ز حاتم شد تہی و آن خالی از اسفندیار

ورنہ از نقش جود از حاتم فراموش کردہ بود   رفت و دست باز از راہِ خانہ حاتم گرفت

بس کہ مرگ از مردنش در چشم مردم شد عزیز   زندگی ہر دم بصد مردن کفن در بر کند

لہ ج ۲ ص ۳۵۰ سلہ ماثر رحیمی ج ۲ ص ۳۵۲،

مردنِ او را کہ نے ممکن شناسم بل محال   خلق می گویند لیکن عقل کے باور کند

سہل باشد مردنی آسان بود جان دادنی   این قدر گر در فراقِ غازی ترخان کنم

از فراقش ز آتشِ گل ساحتِ گلزار سوخت   نغمہ سنجانِ چمن را نغمہ در منقار سوخت

نکتہ سنجانِ جہان را در غمِ ادراکِ او   ز آتشِ بحرِ سخن باد فترِ اشعار سوخت

رفت و بے او زیب دفتر زینتِ دیوان نماند   ہر کہ خواند این سخن چون غازی ترخان نماند

عندلیبے مست بوہر گلبنے لیکن ندید   ہمچو غازی نغمہ سنجِ گلشنِ آخر زمان

بس کہ بے او تنگ شد آفاق بر مردم نماند   در دل او جائے عنبر و در تن او جائے جان

درد دور آورد بر من یار می در مان کجاست

چرخ با من کینہ دارد غازی ترخان کجاست ؟؟

مرزا غازی بیگ ترخان کی جوانا مرگی سے فارسی ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا، اگر یہ محبِ علم فن عمرِ طبیعی کو پہنچتا، تو فارسی کے خزانے کو معلوم نہیں کیسے کیسے قیمتی ادبی جواہرات مالامال کر جاتا ؛

نوائے حیات

از جناب یحییٰ اعظمی

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرینِ معارف اور دوسرے اصحابِ ذوق پوری طرح واقف ہین، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا اضافہ ہے اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلمِ فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ اور مولانا ابو الکلام آزاد کی ایک مختصر سی تقریظ ہو جو بجائے خود قابلِ مطالعہ ہو :

قیمت مجلد ۱۔ للعہ غیر مجلد سہ   منیجر

عندلیب شادانی کی "نشاطِ رفتہ"

پر

ایک اجمالی نظر

از

پروفیسر عطاء الرحمٰن کاکوی گورنمنٹ کالج مظفرپور

(۲)

ع نگہ سجدہ کرے جس پردۂ پُرتوِ پیشانی،

اعتراض: "جس پر" کی جگہ "جس کو" ہونا چاہیے، پیشانی مصلّی نہیں، بلکہ مسجود نگاہ ہے، میرے خیال میں بھی یہ اعتراض درست ہے،

ع پردہ دراب تو خموشی بھی ہے گفتار نہیں

اعتراض: "گفتار ہی" چاہیے، اعتراض درست ہے،

گریہ آلود ہوئی پیر مرے چشم جمال ــــ مجھ سا دنیائے محبت میں گنہگار نہیں

اعتراض: گریہ آلود کی جگہ اشک آلود ہونا چاہیے تھا، معشوق کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آنا ہی قیامت ہے، نہ کہ رخسار پر ڈھلک جانا، اس کیفیت کو گریہ تک پہونچا دینا، آدابِ عاشقی کے خلاف ہے"

اعتراض دقیق اور صحیح ہے،

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نغمے اداس ــــ اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا،

اعتراض: رنگ و بو کے عطف نے مصرع کا لطف کم کر دیا، اصلاح یہ دی "چاندنی افسردہ، گل پژمردہ، نغمے منتشر"

نیاز صاحب نے اصلاح پر اصلاح یہ فرمائی کہ نغمے بے مزہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ نغمہ کا وجود ہی انتشار پر ہے، میری رائے میں پہلی اصلاح سے شعر پژمردہ ہو گیا، اور دوسری اصلاح سے بے مزہ، شاعر کا مطلب یہ ہے کہ چاندنی اب بھی ہے گل بھی کھلے ہوئے ہیں، نغمے بھی ہیں، مگر اک تیرے نہ ہونے سے سب بے کیف نظر آتے ہیں، چاندنی ہے مگر افسردہ، یہ نہیں کہ تاریکی چھا گئی، گل بھی ہیں مگر بے رنگ و بو، یہ نہیں کہ سب پژمردہ ہو گئے، نغمے بھی ہیں مگر اداس، یہ نہیں کہ خاموشی چھا گئی،

کوئی کشتوں کو اپنے اتنی جلدی بھول جاتا ہے ــــ ابھی باقی ہو شاید تیرے دامن پر لہو میرا

اعتراض: یہ شعر ان تمام اعتراضات کا جواب ہے، جو حضرت شادانی نے حسرت و جگر، اصغر و فانی کی شاعری پر وارد کئے تھے، وہی سفاک معشوق، وہی قتل کے بعد عاشق کی وہ خون دھار تقریر، وہی دامن خون آلودہ، اور ایسا معشوق جس کے پاس دوسرا کپڑا بدلنے کو نہیں، لہو میں تھڑا ہوا کپڑا لگائے ہوئے پھر رہا ہے، ناقد کی رائے سے پورا اتفاق ہے،

نغمے سنتے تری تصویر بگڑ جاتی ہے ــــ یاس میں آہ! تصور بھی تو آزاد نہیں،

اعتراض: آہ تصنع محض ہے، میرے خیال میں اعتراض ناجائز ہے، آہ یا ہائے سے حسرت ٹپکتی ہے، اور جو برمحل ہے،

یاد ہے وہ شبِ مہتاب میں آہنگِ رباب ــــ اور وہ نکہتِ صحرا کہ چمن زاد نہیں

اعتراض: "ظاہر ہے کہ نہیں کی جگہ نہ تھی، چاہیے" اعتراض درست ہے، میرا یہ اعتراض ہے کہ صحرا کہنے کے بعد چمن زاد کی توضیح بیکار ہے، صحرا اور چمن خود متضاد چیزیں ہیں،

چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن، خلوتِ راز ــــ خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں

اعتراض: "کہ" کی جگہ "جو کچھ" ہونا چاہئے کہ کچھ کا تنافر بھی مٹ جائے، میرا خیال ہے کہ "جو کچھ" ایک ساتھ پڑھنے سے دوسرا ہی مفہوم ہو جانے کا احتمال ہے،

اتنے فریب کھائے ہیں دل نے کہ اب مجھے — ہوتا ہے جوئے آب پہ دھوکا سراب کا

اعتراض: "جوئے آب" کی جگہ "موج آب" کہنا چاہئے جو آب اور سراب میں مشترک ہے، لہذا دھوکے کا امکان ہی، آبجو پر سراب کا دھوکا ہونا بعید از قیاس ہے، "جوئے آب" کی جگہ "موج آب" زیادہ مناسب ہے،

انیس کا شعر ہے،

اے نہ جائیو دنیا سے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں

عرصہ ہوا میں نے بھی ایک شعر اسی مفہوم کا کہا تھا،

فریب کھائے ہیں اتنے سراب ہستی کے — گمان ریگ ہے آب روان پہ اے ساقی

نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا اور حال دل سنا دینا — خموشی ہی محبت کی زبان معلوم ہوتی ہے

اعتراض: "حال" کی "ح" غائب ہے، ڈاکٹر صاحب کو یقیناً اس کا احساس نہیں ہوا، یہ ڈاکٹر صاحب کا نہیں بلکہ ناقد کی نظر کا قصور ہے، شعر یون ہے،

نہ کچھ کہنا نہ سننا اور حال دل سنا دینا — خموشی ہی محبت کی زبان معلوم ہوتی ہے،

آثم صاحب نے خود ہی "کچھ" کا اضافہ کر کے شعر پر اعتراض کر دیا،

ل نہیں جانے تھے کبھی مجبور ہوئے — اب کہاں وہ گردش ایام ہے،

اعتراض: "ہے" زائد ہے، "اب وہ گردش ایام کہاں" مطلب پورا ہو گیا، بات تو صحیح ہے مگر "ہے" رہنے پر بھی کوئی قباحت نہیں ہے،

وفا پرست ہیں قادر نہیں وفا پہ مگر — جہاں میں کوئی ہم ایسا بھی نامراد نہیں

اعتراض: پہلا مصرع مہمل، جب وفا پر قادر نہیں تو وفا پرست کہاں ہوئے، دوسرے "ہم ایسا" کی

جگہ "ہم سا" ہونا چاہیے، میرے خیال میں دونوں اعتراض صحیح ہیں، جہاں کے نون کو بااعلان پڑھنے سے دوسرا نقص دور ہو جائے گا،

یاد کرو وہ دن کہ تم بت بھی نہ تھے خدا تو کب — میری پرستشوں نے آج تمکو خدا بنا دیا

اعتراض: "پرستشوں" بصیغہ جمع نامطبوع ہے، اصلاح دی ہے، "میرے سجود شوق نے تم کو خدا بنا دیا" میرے خیال میں اعتراض اس لئے درست نہیں کہ مفہوم "سجود پیہم" چاہتا ہے اور وہ پرستشوں ہی سے ظاہر ہے، اور پھر اس کی تکمیل لفظ آج نے کر دی،

ع "بڑھ کے میں نے اس کے ہاتھ تھام کیوں نہیں لئے"

اعتراض: "نہیں" کی جگہ "نہ" چاہئے، اعتراض درست ہے،

دیکھنا یوں کوئی شکووں سے خفا ہوتا ہے — ناز ہو جس پہ اسی سے تو گلہ ہوتا ہے

اعتراض: "دیکھنا" بالکل بے محل ہے، اصلاح دی ہے کہ "جاؤ بھی" میرے خیال میں "جاؤ بھی" اور بھی بے محل ہے، ایسا ہی بنانا تھا تو "اس طرح" بھی زیادہ مناسب ہے،

کتنے نازک ہیں محبت کی ادائیں یارب — کچھ نہیں کہتے جو منظور گلہ ہوتا ہے،

اعتراض: شادانی صاحب الفاظ "یارب، آہ" وغیرہ محض وزن پورا کرنے کے لئے لاتے ہیں، یارب کا یہاں کوئی موقع نہ تھا "دیکھو" کہہ سکتے تھے، میرے خیال میں اگر "یارب" حشو ہے، تو "دیکھو" حشو قبیح ہے،

اک تیری نگاہیں کیا بدلیں، دنیا بدلی قسمت بدلی — یا سب کچھ تھا یا کچھ بھی نہیں اندھیرا ہی اندھیرا ہے

اعتراض: اندھیرا بروزن اندیشا نظم ہوا ہے، جو غیر فصیح ہے، میرے خیال میں غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے، اندھیرا بروزن سویرا ہونا چاہئے، اعتراض درست اور ناقابل تاویل ہے،

اک جھونپڑی کے محتاج ہیں اب — پھرتے ہیں در در وہ خانہ ویران

اعتراض: "ہیں اب" کی جگہ "اب ہیں" ہونا چاہئے، میرے خیال میں شاعر زور دینے کے لئے

قصہ اب آخر یہان لایا ہے،

اک دل نشین نگاہ مین اللہ یہ خلش، نشتر کی نوک جیسے کلیجے مین ٹوٹ جاے

اعتراض: کوئی نہین صرف اصلاح دیدی ہے، "اک دلنشین نگاہ کی اللہ ری خلش" یہ بلا طلب اصلاح ہے، جسے انگریزی مین (uncalled for) کہین گے،

کچھ ہم سے بے خودی مین ہوئین بے حجابیان چشمک زنی ستارون نے کی پھول مسکراے

اعتراض: بے خودی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ استفہامیہ کی متقضی تھی، کچھ کی جگہ کیا کہتے،

میرے خیال مین بھی کیا سے شعر مین ترقی ہو جاتی ہے، کچھ بھی کچھ برا نہین،

نادان سہی پر اتنے بھی نادان نہین ہین ہم خود ہم نے جان جان کے کتنے فریب کھاے

اعتراض: جان جان کے بجاے جان بوجھ کہتے تو شعر زبان کی حدود مین آجاتا، میرے خیال مین شادانی صاحب نے جان بوجھ کر جان جان رکھا ہے کہ تکرار لفظی سے زور بیان کے علاوہ کثرت ظاہر ہوتی ہے، نیاز صاحب نے ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ نادان باعلان نون نظم ہونا چاہیئے تھا، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مومن نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا کہ ع:

لاکھ نادان سہی کیا تجھ سے بھی ناداں ہون گے

محرومیان ہی محرومیان ہین جرم محبت، اللہ اکبر،

اعتراض: محرومیوں کو جرم سے کوئی ربط نہین، درد محبت کہتے "میری راے مین درد محبت کہنے سے شعر کی خوبی جاتی رہتی، شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اکبر! محبت کتنا بڑا جرم ہے جس کی سزا محرومیان ہی محرومیان ہین،

بہر حال اتنے اعتراضات کے باوجود اثر صاحب شادانی صاحب کے کلام سے کافی متاثر ہین، اور نہایت خلوص کے ساتھ انھون نے اس کا اعتراف کیا ہے، مجموعی حیثیت سے شادانی صاحب کا کلام اس

قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جاے، اس مین کیف ہے، لذت ہے، اُن کے ایک خوشگو شاعر ہونے مین کلام نہین، "اغلاط و معائب کس کے کلام مین نہین ہوتے" ایک دیدہ ور ناقد کے قلم سے اس قسم کا اعتراف شادانی کے کلام کے لئے ایک بڑی سند ہے، جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہین، اور جو ناقد کے قلم سے بہت کم لوگون کے حصہ مین آئی ہے،

یہان تک تو شادانی صاحب اور اثر صاحب سے متعلق بحث تھی، اب براہ راست شادانی صاحب سے کچھ کہنا ہے، دور حاضر اور اردو غزل گوئی مین شادانی صاحب نے سرقات کی بحث بھی چھیڑی ہے، اور اس مین بڑے بڑے رئیس المتغزلین اور امام المتغزلین سب کے سب سارق قرار دیے گئے ہین، مین سرقات کا قائل نہین، چراغ سے چراغ جلتے ہی ہین، نئی بات کہان سے پیدا کی جاے، البتہ انداز نیا ہو سکتا ہے، شادانی صاحب کے اصول کو اگر صحیح مان لیا جاے، تو وہ خود اس کی زد مین آجاتے ہین، اور جو دام انھون نے دوسرون کو صید کرنے کے لئے بچھایا تھا، اس مین خود ہی گرفتار ہو جاتے ہین، اگر حسرت وغیرہ اس گناہ کے مجرم ہین، تو شادانی کا دامن بھی اس سے پاک نہین،

ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس کی چند مثالین ملاحظہ ہون،

شادانی	جب کسی سے کوئی پیمان وفا کرتا ہون	کانپ اٹھتا ہون کہ میرا ہی سا انجام نہ ہو
لا اعلم	چو می بینم کسے از کوی تو دل شاد می آید	فریب گر تو اول خوردہ بودم یاد می آید
شادانی	چاندنی، سبزہ، لب جو، لوگ محو اختلاط	تم اگر ہمراہ ہوتین ہم بھی ہنستے بولتے
حافظ	پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند	اے دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن
شادانی	بیٹھے بیٹھے امنڈنے لگتا ہے	دل کو کیا ہو گیا خدا جانے
صبا	دل مین اک درد اٹھا آنکھون مین آنسو بھر آے	بیٹھے بیٹھے ہمین کیا جانئے کیا یاد آیا

شادانی	دل کو نہ جانے کیا ہوگیا ہو	جی چاہتا ہو رونے کو اکثر
لا اعلم	ہے کوئی بات آج ہونے کو	جی بہت چاہتا ہو رونے کو
شادانی	پڑتی ہے اپنے خونِ تمنا پر جب نظر	ہوتا ہو دل مین شک کہ خدا ہو بھی یا نہین
غالب	زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالب	ہم بھی کیا یاد کرین گے کہ خدا رکھتے تھے
شادانی	دل آج بیحد گھبرا رہا ہے	اے دوست ان کا کچھ تذکرہ کر
قائم	ہم نشیں ذکرِ یار کر کچھ آج	اس حکایت سے جی بہلتا ہے،
شادانی	رات کچھ ایسا تصور نے ترے بیخود کیا	ڈال کر اپنے گلے مین اپنی بانہیں چوم لین
مصحفی	لپٹوں ہون مین آپ ہی گلے سے	سمجھوں ہون کہ ہے کنار تیرا،
شادانی	ع نادان سہی پر اتنے بھی نادان نہین ہین ہم،	
مومن	؍؍ لاکھ نادان سہی کیا تجھ سے بھی نادان ہونگے،	
شادانی	بیکار ہین یہ ترکِ محبت کی کوششین	وہ اور یاد آتی ہین جتنا بھلائیے
حسرت	بھلاتا لاکھ ہون لیکن برابر یاد آتے ہین	الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہین
شادانی	تم پاس ہو اور دل کا یہ عالم ہو کہ توبہ	یہ حال تو جب دور تھے تب بھی نہ ہوا تھا
حسرت	بڑھ گئین تم سے تو مل کر اور بھی بیتابیان	ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا
شادانی	اُف وہ شب رنگ مہکتی ہوئی کافر زلفین	اپنے بازو پہ جنھین مین نے مچلتا دیکھا
غالب	نیند اسکی ہو دماغ اسکا ہو راتین اسکی ہین	جس کے بازو پہ تری زلفین پریشان ہوگئین
شادانی	شکن بستر ومنا کی بالش ہین گواہ	پوچھ لو ان سے فسانہ شبِ تنہائی کا
لا اعلم،	تڑپ تڑپ کے گذاری ہین ہجر کی راتین	گواہ ہین شکنین جس قدر ہین بستر پر،
شادانی	بناگوش مین اسکے الماس پارہ	درخشندہ جیسے شفق مین ستارہ

میر حسن	وہ تکمہ درخشندہ الماس کا	ستارہ سا مہتاب کے پاس کا
شادانی	نہ کچھ کہنا نہ سننا اور حالِ دل سنا دینا	خموشی ہی محبت کی زبان معلوم ہوتی ہو
آتش	حالِ دل ہوتا ہو حسرت کی نگاہون سے عیان	میری اسکی گفتگو مین اب زبان خاموش ہو
شادانی	خموشیون مین نہان ہوگئی فغان میری	زبانِ حال ہو اب اور داستان میری
اقبال	خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زبان میری،	
شادانی	دکھا دیون کوئی تمکو وہی خفا ہوتا ہو	ناز ہو جس پہ اسی سے تو گلہ ہوتا ہو
برق	شکوہ مین نے جو کیا جانِ شکایت ہی نہین	جس سے ہوتی ہو امید اسی سے گلہ ہوتا ہو
شادانی	کہتے تھے تم سب جھوٹ کے کیونکر جیئین گے ہم	جیتے ہین تم کو جھوٹ کے تقدیر جو دکھائے
سودا،	کہتے تھے کہ ہم نہ دیکھ سکین تجھکو غیر پاس	پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا
شادانی	جی چاہتا ہو اُس رُخ سے نقاب الٹ دون	مین تنگ آگیا ہون سب کی ملامتون سے
لا اعلم	رُخ سے نقاب اُلٹ کے تو آ سب کے پیش چشم	عاشق پہ تیرے تا کوئی پھر طعنہ زن نہ ہو،
شادانی	انھین آرائشِ گیسو سے مطلب	کوئی دیوانہ ہو جائے بلا سے،
داغ	تم کو آشفتہ مزاجون کی خبر سے کیا کام	تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

شادانی صاحب کا مجموعۂ کلام اشعار کو چھوڑ کر بہت مختصر ہے، میرا دعویٰ ہے کہ اگر تھوڑی سی کوشش کی جائے تو اُن کے ہر شعر کے مقابلہ مین اُن کے پیشرووُن کے اشعار پیش کیے جا سکتے ہین، مین نے سرسری مطالعہ کے بعد صرف چند مثالون پر اکتفا کی ہے، اس سے شادانی صاحب کی تنقیص مقصود نہین اگر مین اُن کے اصول سرقات سے متفق نہین،

مجموعی حیثیت سے نشاط رفتہ اردو ادب مین ایک قابلِ قدر اضافہ اور رسمی شعراء کے لیے ایک قابلِ تقلید

نمونہ ہے، اردو غزل گوئی آج بھی معیاری چیز بن سکتی ہے، بشرطیکہ شعراء تنہا دماغ سے کام لینے کے بجائے دل سے بھی کام لیں،

بعض حضرات شادانی صاحب کو غزل گوئی کا مخالف سمجھتے ہین، جو اُن کی غلطی ہے، وہ خود بھی غزلگو ہین، غزل کے دائرہ سے علٰحدہ ہو کر وہ کچھ بھی نہین رہتے،

اب آخر مین اُن کے کلام کے متعلق کچھ اپنے شبہات پیش کرتا ہون، امید کہ وہ میری تشفی فرمائین گے،

مین ادھر سے مخاطب وہ ادھر سے مخاطب پابندیون نے کھولی یہ راہ ہم کلامی

پہلے مصرع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گفتگو کرنے والے چار اشخاص ہین، مفہوم کا تقاضا یہ تھا کہ تین اشخاص ہوتے، ایک مین ایک وہ، تیسرا مخاطب مشترک، ہم کلامی کی راہ جب ہی کھلتی،

اک ذرا پہلے فقط تیری نظر تھی برق پاش اب تمام دل بجلیون کا گاہوارہ ہو گیا،

لفظ فقط کا تقاضا ہے کہ دوسرے مصرع مین "دل بھی" ہونا چاہیئے، ورنہ مفہوم بدل جائے گا،

کیون نہین ملتا محبت سے محبت کا جواب کس لئے قحطِ وفا پروردگارا ہو گیا،

لفظ کس لئے محلِ نظر ہے، قحط کیون ہے کی جگہ کس لئے ہو گیا، قابلِ توجہ ہے، قحط کسی مقصد کیلئے نہین ہوتا، بلکہ خود بخود ہو جاتا ہے، معنوی حیثیت سے بھی محبت کا جواب نہ ملنا ہی محبت کی زندگی ہے، اختر گاگوی کا یہ شعر کتنا بلیغ ہے،

دیدیا اُس نے محبت سے محبت کا جواب خاتمہ ہو گیا اب عشق کے افسانے کا

یہ عالم جیسے چھلکے بادۂ گل رنگ مینا مین شفق کا عکس یا آئینۂ سیال دریا مین

آئینۂ سیال تو خود دریا ہوا، اس لئے آئینۂ سیال دریا کی ترکیب کچھ بے محل سی معلوم ہوتی ہے جس طرح یہ کہین کہ آتش سیال شراب، یا لعلِ گداختہ شراب،

نظر بھر کر جسے دیکھ لین مخمور ہو جائے، نہ سنبھلے حشر تک ایسا نشے مین چور ہو جائے

اس شعر مین بیجا مبالغہ یا مغالطہ ہے، شادانی صاحب جیسے واقعاتی شاعر کو ایسے مبالغون سے اجتناب کرنا چاہیئے یہ چیزین لکھنوی شعراء یار ہیں، متغزلین و شعر کا وہم ہی کی ردو کانون کو زیب دیتی ہین،

خفیف سا زیر لب تبسم، تبسم زیر لب تبسم تو خفیف ہوتا ہی ہے قہقہہ زیر لب نہین ہو سکتا،

دل کا ہر گوشہ تمہاری یاد سے آباد ہے مجھ کو سب کچھ بھول جانے پر بھی سب کچھ یاد ہے

یہ بڑا پرفریب شعر ہے اسی لئے دلکش بھی ہے، مگر سب کچھ بھول جانے کا کوئی ثبوت نہین ملتا اسلئے کہ سب کچھ یاد بھی ہے،

دے نہ دشمن کو خدا میری سی بیکسی خلوت مین رو دیئے تو کوئی آنسو پونچھنے والا نہ ہوا

پہلے مصرع مین "دشمن کو بھی" چاہیئے۔ ورنہ یہ معنی ہون گے کہ خدا دشمن کو نہ دے، دوست کو دے تو دے،

شکن بستر و تمنا کی بالش ہین گواہ پوچھ لو ان سے فسانہ شب تنہائی کا

شعر اچھا ہے، مگر تمنا کی بالش محلِ نظر ہے، ہو سکتا ہے کہ قواعد کی رو یا فارسی اساتذہ کے کلام سے اس کی سند مل جائے، مگر یہان پر نمی کا موقع ہے، روتے روتے میرا رومال نم ہو گیا کہین گے نہ کہ رومال نمناک ہو گیا،

ہان میرے لئے چاند پیامی ہے کسی کا کرنون مین کوئی تارِ نظر دیکھ رہا ہون،

چاند کی کرنون کو ماننے کے باوجود لفظ کوئی، کوئی معنی نہین رکھتا،

تیرے ہی دم سے تھا گل و مہتاب کا ہجوم آغوش مین وہ جوش بہاری نہین رہا

گل کا ہجوم تو ہو سکتا ہے، ستارون تک کا ہجوم مناسب تھا، ماہتاب کا ہجوم محلِ نظر ہے،

دامان و آستین مین ستارون کے ڈھیر ہین اب چاندنی کی سیر کا ارمان نہین رہا

ستارون سے یہان آنسو مراد ہین، اس لئے ڈھیر غور طلب ہے، ڈھیر قرار پاتا ہے جو آنسو

ہیں نہیں وہ تو ڈھل کر جذب ہو جاتے ہیں،

اکثر مہتابی راتوں میں موتی برسانے لگتی ہیں ۔ مجبور تمنا آنکھوں نے شبنم کا مقدر پایا ہے

یعنی مجبور تمنا آنکھوں کی تقدیر بھی ویسی ہی ہے جیسی شبنم کی، آنکھیں تو موتی برساتی ہیں شبنم برساتی نہیں بلکہ برستی ہے، یعنی خود موتی یا آنسو ہے، اس لئے تشبیہ ناقص ہے،

میں تو فریب کھا گیا تو نہ فریب کھائیو ۔ لاکھ کسی کی آنکھ سے دل کا لہو بہا کرے

کھائیو میں قدامت بھی ہے اور غرابت بھی، یہ بات غالب ہی تک رہے بہتر ہے،

اللہ اکبر! وہ نازنین تن ۔ جن کو گراں تھیں سیجوں پہ کلیاں

پھولوں کی بہ نسبت کلیوں میں کرختگی کا امکان ہے، اس لئے گرانی کا موجب ہو سکتی ہیں،

تم ایسے ناز پروردہ کو میں کس طرح سمجھاؤں ۔ کہ دل کا خون ہو جاتا ہے تب آنسو نکلتا ہے

نکلتا ہے کی جگہ "نکلتے ہیں" چاہئیے تھا، اسی مفہوم کا مومن کا ایک شعر یاد آگیا،

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو

کہ شب غم کوئی کس طرح سحر کرتا ہے

ع کبھی اشعار سننے کو ہمہ تن گوش ہو جانا

ہمہ تن "بر وزن فعولن" اچھا نہیں معلوم ہوتا، ممکن ہے کسی نے لکھا ہو، لیکن اس میں فاصلہ صغریٰ چاہیے یعنی بروزن فَعِلُن جیسے ع

"ہمہ تن ہو کے زبان ورد ترا نام کروں"

فریب وعدۂ رنگیں سے کوئی دل بہلتا ہے ۔ شب ہجراں میں تصویروں سے تنہائی نہیں جاتی

شعر بہت اچھا ہے مگر کوئی کی جگہ کہیں زیادہ بلیغ ہوتا،

اے روز شادی اے عید قرباں ۔ آتی تھی تو تو عشرت بداماں

تو تو کا اتصال ناگوار معلوم ہوتا ہے،

ع: توڑ دیے ہوں یاس نے جس کے تمام آسرے،

تمام اور سب کے استعمال میں بڑا نازک فرق ہے،

تمام عالم دھواں دھواں ہے، صحیح ہوگا، تمام لڑکے ڈوب گئے، غلط ہوگا، تمام کام درہم برہم ہو گیا غلط ہوگا، مضمون بہت طویل ہوگیا،

ع: لطیف بود حکایت دراز تر گفتم

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اُس کے اقسام کا بیان ہے اس کے بعد فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحث ہے، (طبع سوم)

قیمت:- عہ روپئے،

گل رعنا

یعنی اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے مجموعے، از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ،

طبع چہارم:- قیمت: عصر

منیجر

مرزا مظہر جانجاناں کا سالِ وفات

از

جناب عندلیب میرٹھی لاہور

رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون بعنوان "مرزا مظہر جانجاناں کی دو غزلیں" نظر سے گذرا، صاحبِ مضمون نے لکھا ہے کہ

"مظہر کا سالِ وفات ۱۱۹۵ھ ہے مگر آزاد نے ۱۲۰۵ھ سمجھا ہے، حالانکہ جو قطعہ تاریخ انھوں نے پیش کیا ہے، اس سے بھی ۱۲۰۵ھ ہی نکلتا ہے، محمد یحییٰ تنہا کا بیان بھی گنجلک ہے، وہ تو آزاد کی صدائے بازگشت ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی ۱۲۰۵ھ ہی لکھا ہے"

صاحبِ مضمون کا یہ بیان خلافِ واقعہ اور غلط ہے، تنہا صاحب نے اپنی کتاب مرآۃ الشعراء جلد اول ص ۱۱۶ پر مظہر کا سالِ وفات کہیں ۱۲۰۵ھ ہجری نہیں لکھا ہے، قطعہ تاریخ وفات جو مرآۃ الشعراء جلد اول میں درج ہے حسبِ ذیل ہے:-

مرزا کا ہوا جو قاتل ایک مرتدِ شوم — اور اُن کی ہوئی خبر شہادت کی عموم

تاریخ زروئے درد یہ سن کے کہی — سودا نے کہ "ہائے جانجاناں مظلوم"

۱۱۹۱
۴
سنہ ۱۱۹۵ھ

میر قمر الدین منت کی تاریخ بھی درج ہے، "عاش حمیداً - مات شہیداً"

سنہ ۱۱۹۵ھ

دونوں تاریخ وفات سے ۱۱۹۵ھ ہجری برآمد ہوتے ہیں، معلوم نہیں صاحبِ مضمون نے ۱۲۰۵ھ کس حساب سے برآمد کیا ہے؟ اور اپنی اس غلط حساب فہمی پر کیوں حضرت آزاد اور تنہا صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا ہے، مرآۃ الشعراء میں کاتب کی غلطی سے درد کی دال کے چار عدد نہیں جوڑے گئے ۱۱۹۱ھ ہجری تحریر ہوگیا ہے، حالانکہ درد کے نیچے ۴ کا عدد اور ہائے جانجاناں مظلوم کے نیچے ۱۱۹۱ھ لکھا گیا ہوگا، اور سنہ کے نیچے ۱۱۹۵ھ ہجری ہوگا، بہرحال یہ غلطی ظاہر ہے کہ کتابت کی وجہ سے ہوئی، اور جب کہ ایک چھوڑ دو دو تاریخیں کتاب میں موجود ہیں، تو مضمون نگار کو اعتراض کرنے سے پیشتر صحیح حساب لگا کر دیکھنا چاہئے تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے، صاحبِ مضمون کیلئے طعن و طنز اور واقعات کی قلبِ ماہیت سے پرہیز کرنا ضروری تھا، تنہا صاحب کا بیان بالکل صاف ہے اور آزاد سے تنہا صاحب نے یہ اختلاف کیا ہے کہ مرزا مظہر کو دوسرے دور میں جگہ دی ہے، حالانکہ آزاد نے اُن کو دورِ سوم میں رکھا تھا، وجوہاتِ اختلاف مرآۃ الشعراء ص ۱۱۶، ۱۱۷ حسبِ ذیل ہیں:-

"آزاد نے مظہر جانجاناں کو تیسرے دور میں جگہ دی ہے، حالانکہ بلحاظِ ہم سنی وہ شاہ حاتم ہی کے پہلو بہ پہلو بیٹھ سکتے ہیں، دونوں بزرگوں کی پیدائش ۱۱۱۱ھ میں واقع ہوئی، اور دونوں ہم مشرب بھی تھے یعنی صوفی تھے، پھر دونوں استاد تھے، دونوں کے شاگرد بکثرت تھے، صرف فرق اس قدر ہے کہ حاتم نے اردو میں ایک چھوڑ دو دیوان چھوڑے، اور مظہر جانِ جاناں نے صرف چند اشعار پر قناعت کی"

خود صاحبِ مضمون نے بھی تنہا صاحب کی پہلی وجہ اختلاف کو لیکر یہ مضمون شروع کیا ہے، ایسی حالت میں یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ تنہا صاحب کو آزاد کی صدائے بازگشت کہا جائے، انھوں نے آزاد کی صحیح باتوں کو بھی لیا ہے اور دوسرے تذکرہ نویسوں کے صحیح بیانات کو بھی اختیار کیا ہے، صاحبِ مضمون نے مضمون کا عنوان "مرزا مظہر جانجاناں" تحریر کیا ہے، اور اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی ہے، "جانِ جاناں" کیوں کہنا چاہئے اُن کی نظر خان آرزو کی تحریر پر ہوتی تو وہ ہرگز مرزا مظہر جان جاناں نہ لکھتے، خان آرزو لکھتے ہیں:-

"بجز از زبانش مسموع است آنست کہ نام اصل او جانجان ست چہ والدش محمد جان نام داشت،
نظر بر آن بجان جان موسوم گردانیدہ و حالا بجان جانان شہرت دارد، میرزا جان جانان میفرمود کہ تخلص
من از اشارہ مولانائے روم قدس سرہٗ است، جائیکہ فرمودہ "جان جانان مظہر اللہ شد"

ہمارے شاعروں کے بعض اشعار جو بادنیٰ تغیر متعدد شعرا کی جانب منسوب ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ بھی اسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ تحریریں ہیں انھیں اگلے تذکرہ نویسوں نے بھی احتیاط سے کام نہیں لیا، اور بعض موجودہ طالبانِ تحقیق بھی اپنے مقاصد کے پیش نظر جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں، جس سے تحقیق کو سخت نقصان پہنچتا ہے، مجموعہ نغز میں حضرت مظہر کا یہ شعر اسی طرح درج ہے،

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغبان اپنا

کیا کیا کے بجائے کس کس نہیں ہے، مجموعہ نغز کے مطالعہ سے حکیم قدرت اللہ قاسم کی صحت بیان اور احتیاط ظاہر ہو جاتی ہے، اور وہ حضرت مظہر جانجانان کے وطن دلی ہی میں رہتے تھے، اس لئے ایک اورنگ آبادی تذکرہ نویس کے مقابلہ میں قاسم کے بیان کو ترجیح حاصل ہے، اسی طرح

ع ۔ بینا لگا ہے جب سے کہ مجھ بینوا کے ہاتھ

کے بارہ میں یہ قیاس کرنا کہ جب سے کہ" کی بجائے "ستی" ہوگا، غلط ہے کیونکہ حضرت مظہر کے متعلق تذکرہ نگاروں کا یہ بیان ہے کہ انھوں نے زبان کی درستی کی جانب بھی توجہ کی تھی، اور اُسے تراش کر صاف کیا تھا، اور اُن کے دوسرے اشعار سے بھی جو دوسرے تذکروں میں ہیں اُس کی تصدیق ہوتی ہے، اس لئے یہ مصرع

ع بینا لگا ہے جب ستی مجھ بینوا کے ہاتھ

ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ سوں اور ستی کے الفاظ اُن کے دوسرے اشعار میں نہیں پائے جاتے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مظہر نے ان کو ترک کر دیا تھا، اور اسی بنا پر اورنگ آبادی تذکرہ میں دوسرے

تذکروں سے جو زائد اشعار ہیں، وہ سب الحاقی ہیں، اس شعر کو

ارے شیریں یہ خدا سوں ڈر خبر لے عاشق اپنے کی
کیا فرہاد نے تیشہ سوں سر لوہو لہان اپنا

صاحب مضمون خود بھی مخلص کا کہتے ہیں، اسی لئے وہ زائد اشعار بھی جو اورنگ آبادی تذکرہ میں مظہر کے نام سے درج ہیں، اُن پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا،

تلخیص و تبصرہ

انڈونیشیا کی تعلیمی رفتار

انڈونیشیا کی آبادی ۷۶،۵۲۰،۰۰۰ ہے، جس میں نوے فی صدی یعنی ۰۰۰،۰۰۰،۰۰ مسلمان ہیں، آزادی کے بعد سے انڈونیشیا کی حکومت اور اس کے باشندے، دونوں عام تعلیم کی ترویج و ترقی کے لئے بہت کوشان ہیں، اور تعلیم کی طلب جتنی اب پیدا ہو گئی ہے، اتنی اس ملک کی تاریخ میں کبھی نہیں تھی، اور یہ طلب نہ صرف نوجوانوں میں، بلکہ زیادہ عمر کے مردوں اور عورتوں میں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ یونیورسٹی، کالجوں اور اسکولوں میں زیادہ عمر کے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں، لیکن یہاں حصول تعلیم میں جتنی دشواریاں ہیں ان پر ابھی پورا قابو نہیں پایا گیا ہے، اساتذہ کی بڑی کمی ہے، تعلیمی اداروں کے لئے خاطر خواہ عمارتیں بھی نہیں ہیں، طلبہ کے لئے پڑھنے کی کتابیں، اور لکھنے کا سامان بھی آسانی سے نہیں ملتا، اس لئے جتنی طلب ہے، اتنی تعلیم نہیں، ہزاروں لاکھوں بچوں کو ابتدائی تعلیم بھی نہیں دی جا سکتی ہے، بعض اسکول ایسے بھی ہیں جن میں طلبہ کے بیٹھنے کے لئے چھوٹی چھوٹی میزیں تک نہیں ہیں، اور وہ مجبوراً کھڑے رہتے ہیں، اور ان کو وہی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن میں لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، طلبہ کی تعداد ابتدائی اور ثانوی اسکولوں میں بڑھتی جا رہی ہے، درجوں میں ضرورت سے زیادہ لڑکے ہو گئے ہیں، اسکولوں میں بعض اساتذہ کو ایسے مضامین بھی پڑھانے پڑتے ہیں جن کے وہ اہل نہیں ہیں، اور انکی باضابطہ تعلیم بہت انھوں نے نہیں پائی ہے، اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ابتدائی مدرسوں کے اساتذہ وہ ہیں جو ثانوی

اسکولوں میں خود تعلیم پا رہے ہیں، اور ثانوی اسکولوں میں وہ طلبہ تعلیم دیتے ہیں، جو یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے ہیں، لیکن حکومت اس کے لئے کوشان ضرور ہے کہ وہاں کے لوگوں میں تعلیم کی جو پیاس ہے، اس کو خاطر خواہ طور پر بجھایا جا سکے، وہ تعلیم کا معیار بھی بلند کرنا چاہتی ہے، پرانے اسکولوں کی عمارتوں کی جو آزادی کی تحریک کے سلسلہ میں خستہ حال ہو گئی تھیں، پھر سے مرمت کی جا رہی ہے، نئی عمارتیں بھی بن رہی ہیں، مگر جوگ جاکارتا کی گاجا مادا یونیورسٹی ابھی تک سلطان کے محل میں ہے، اس کے کمرے جہاں طلبہ کو لکچر دیئے جاتے ہیں تعلیمی کاموں کے لئے بالکل موزون نہیں ہیں، اگرچہ اب یونیورسٹی کی عمارت کی تعمیر شروع ہو گئی ہے،

اساتذہ کی تربیت کے لئے حکومت ادارے کھول رہی ہے، غیر سرکاری طور پر بھی ان کو تربیت دی جاتی ہے، اور ان کے نصاب میں نہ صرف اسکول کے مضامین پڑھانے کے طریقے بتائے جاتے ہیں، بلکہ تجارت اور دوسرے پیشوں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، بہت سے طلبہ تعلیم اور تجربے حاصل کرنے کے لئے بیرونی ملکوں میں بھی بھیجے گئے ہیں، ۱۹۵۱ء کی ابتداء میں وزارت تعلیم نے جو اعداد و شمار شائع کئے تھے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے اسکولوں کی تعداد ۳۰،۰۶۰ تھی، جن میں ۴۱۰۰،۲۲۰ طلبہ اور ۵۰،۰۶۰ اساتذہ تھے، ابتدائی اسکول ۶۶،۷۰۰ تھے، ان میں ۴،۰۰۱،۳۱۵ طلبہ اور ۸۲۵،۰۹ اساتذہ تھے، ثانوی اسکولوں کی تعداد ۷۰،۸۰ تھی، ان میں وہ اسکول بھی شامل ہیں جن میں تجارت اور دوسرے پیشوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے، ان ثانوی اسکولوں میں ۲۰۱۳۱۹ طلبہ اور ۱۳۹۱۹ اساتذہ تھے، یونیورسٹی اور دوسرے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد کل پندرہ تھی، جن میں ۵۰۱۰ طلبہ ۳،۷۵ اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم پا رہے تھے،

اسکولوں اور اساتذہ کی مذکورۂ بالا تعداد وہاں کی تعلیمی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے، شمالی سماترا میں کم از کم دس ہزار ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے، جو ابتدائی مدرسوں میں تعلیم دے سکیں، اور ثانوی اسکولوں کے لئے ایک ہزار مزید اساتذہ درکار ہیں، اور جس قدر اساتذہ ہیں بھی ان میں صرف ۱/۳ تربیت یافتہ ہیں، وزارت تعلیم نے

ان اساتذہ کو خط وکتابت کے ذریعہ بھی تعلیم وتربیت دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے، تاکہ ایک مختصر مدت میں ضرورت کے مطابق اساتذہ تربیت حاصل کریں، حکومت کے پیش نظر جبری تعلیم کی اسکیم بھی ہے، اس سلسلہ میں ۱۷ اگست سنہ ۱۹۵۱ء کو چار ہزار نئے کورس جاری کئے گئے، جن کے ذریعہ پانچ لاکھ بچوں کو تعلیم دی جا سکتی ہے، لیکن جبری تعلیم کے لئے ابھی خاطر خواہ سہولتیں میسر نہیں ہیں، البتہ ایسے حلقوں میں جہاں درس و تدریس کے لئے عمارتیں مل جاتی ہیں، جبری تعلیم شروع کر دی جاتی ہے،

انڈونیشیا میں تعلیم حسب ذیل پانچ بنیادی اصولوں پر مبنی ہے،

(۱) ایمان باللہ (۲) جمہوریت (۳) قومی اسپرٹ (۴) معاشرتی انصاف، اور (۵) انسانیت،

ذریعہ تعلیم انڈونیشیا ہی کی زبان ہے، اعلیٰ تعلیم میں اساتذہ کی کمی کی وجہ سے حکومت غیر ملکوں کے ماہرین تعلیم اور اساتذہ کی خدمات بھی مستعار لے رہی ہے، جو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اپنی اپنی زبانوں میں تعلیم دیتے ہیں،

نصاب کی کتابوں کی بھی بڑی کمی ہے، اور جو ملتی بھی ہیں، ان کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے، خصوصاً اعلیٰ تعلیم کی کتابوں کا انڈونیشیا کی زبان میں ملنا بہت دشوار ہے، اس لئے اعلیٰ تعلیم میں زبان کا مسئلہ پیچیدہ ہے، جاپانیوں نے اپنے قبضہ اور اقتدار کے زمانے میں ڈچ زبان کے ذریعہ تعلیم بند کرا دی تھی، اور زیادہ تر اپنی (جاپانی) زبان کو ترجیح دیتے تھے، اور اب بھی وہاں اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں زبان کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکل سکا ہے، کتابوں کے ترجمے ضرور کئے جا رہے ہیں، مگر چند کتابوں کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے نصاب کی کتابوں کے ترجمے نہیں ہو سکے ہیں، اور یہ ترجمے بازار میں گراں قیمت پر ملتے ہیں، گو طلبہ کے لئے کتابوں کی خریداری کے سلسلہ میں بہت سی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں، لیکن پھر بھی وہ کتابیں آسانی سے نہیں خرید سکتے ہیں، یا تو کتابیں ملتی نہیں ہیں یا بہت گراں ملتی ہیں،

نجی طور پر بھی وہاں کے افراد تعلیم کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں ہیں، اگر غیر سرکاری طور پر کوئی تعلیمی

ادارہ کھولا جاتا ہے تو حکومت پوری سہولتیں پہونچاتی ہے، بشرطیکہ یہ ادارہ مذکورۂ بالا پانچوں بنیادی باتوں سے متفق ہو، ابھی حال ہی میں بانڈونگ میں غیر سرکاری طور پر اعلیٰ تعلیم کے لئے کرسناودی پایانا کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے، جس میں قانون اور معاشرتی سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے، ان دونوں مضامین کیلئے اساتذہ آسانی سے مل جاتے ہیں،

حکومت ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دلانے میں مستعدی سے کام لے رہی ہے، گو اس کی تحریک جنگ سے پہلے شروع کی گئی تھی، اور جاپانیوں کے تسلط و قبضہ کے زمانے میں قائم رہی لیکن اس وقت تک اس کے نتائج خاطر خواہ نہ تھے، لیکن آزادی کے بعد سے اس تحریک میں بڑی سرگرمی پیدا ہو گئی ہے، ۱۳ سال کی عمر کے بعد جو لڑکے ان پڑھ رہتے ہیں، ان کو ضروری تعلیم دینے کی کوشش کی جاتی ہے، ان کو ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا اور معمولی حساب لگانا بتایا جاتا ہے، ان کے لئے ایک خاص کتاب لکھی گئی ہے، جس کے نام کا ترجمہ یہ ہے، "انڈونیشیا پڑھتا ہے، اور لکھتا ہے" اس کتاب سے ان میں پڑھنے لکھنے کا ایک خاص جذبہ بھی پیدا کیا جاتا ہے، اور جب اس کتاب کے ذریعہ تھوڑی سی تعلیم پا لیتے ہیں، تو معلومات عامہ کے لئے ان کو ایک خاص نصاب پڑھایا جاتا ہے، جس میں معاشیات، جغرافیہ اور حکومت کے نظم و نسق سے متعلق ابتدائی چیزیں ہوتی ہیں، ان کو انڈونیشیا کی تاریخ، اور کلچر کے علاوہ صفائی اور روزمرہ کے اخلاق کی باتیں بھی بتائی جاتی ہیں انڈونیشیا پارلیمنٹ کے انتخاب کے طریقے سے بھی ان کو اچھی طرح آگاہ کیا جاتا ہے، اور حکومت جن پانچ اصولوں پر اپنا لائحہ عمل تیار کرتی ہے، ان سے بھی ان کو روشناس کیا جاتا ہے، اخبارات و رسائل پڑھنا بھی ان کو بتایا جاتا ہے، تاکہ انہیں اپنے ملک اور دنیا کے حالات سے واقفیت ہو اور ان کے عام معلومات میں اضافہ ہوتا رہے، اس نصاب کو ختم کرا دینے کے بعد ان کا امتحان لیا جاتا ہے، اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کو ایک سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے ایسی دو یونیورسٹیوں میں داخلہ لے سکتے ہیں، جو انہی کے لئے مخصوص ہیں، ان میں سے ایک یونیورسٹی سماڑنگ میں اور دوسری جوگ جاکرتا میں ہے، یہ دونوں

ادارے غیر سرکاری ہین، ان پڑھ لوگون کو تعلیم دلانے کی تحریک سب سے زیادہ جوگ جاکرتا مین ہے،

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ انڈونیشیا کی آبادی مین ۴۴ فی صدی ایسے لوگ ہین، جو لکھ پڑھ سکتے ہین جوگ جاکرتا مین ۵۸ فی صدی افراد پڑھے لکھے ہین، سنا ہاس، اور شمالی سلیبیس مین ہر شخص لکھنا پڑھنا جانتا ہو لیکن اب تک ۵۰ فی صدی آبادی بالکل ان پڑھ ہے، اس مین تین کروڑ دس لاکھ تو بالغ ہین، اور تقریباً ایک کرور بچے ہین، جن کی عمر چھ سال　　کی ہوگی، تعلیم کی اشاعت کے لئے حکومت نے ایک دس سالہ اسکیم تیار کی ہے، جس کے ماتحت ملک کی پوری آبادی کو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے گا، ان مین سے پچاس فیصدی کو تو ابتدائی تعلیم دیجائیگی، اور ۳۰ فی صدی آبادی ثانوی اسکول تک تعلیم　پائیگی، اور بقیہ ۲۰ فیصدی کو اعلیٰ تعلیم دے کر گریجویٹ بنایا جائے گا، اس اسکیم مین ۲۰ بیس کرور انڈونیشی روپیے خرچ کئے جائین گے

(از اسلامک ریویو)

حکیم الامت

"نقوش و تاثرات"

حکیم امت، امام وقت علامہ اشرف علی تھانوی کے آخری ۱۵ سالہ حصۂ زندگی کا ایک نرالا مرقع، فقہ و تفسیر، حدیث و سنت، سلوک و کلام، ادب و حکمت، صحافت و سیاست کے صدہا مضامین کا گلدستہ،

(از مولانا عبد الماجد دریابادی، مصنف تفسیر القرآن (انگریزی و اردو) محمد علی، ذاتی ڈائری وغیرہ،

قیمت :- للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

انواعِ فلسفہ مترجمہ ظفر حسین خان صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس تقطیع بڑی ضخامت ۲۶۴ صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ غیر مجلد صہ پتہ :- انجمن ترقی اردو ہند علیگڈھ

پروفیسر ارنسٹ ہاکنگ کی تالیف ٹائپس آف فلاسفی تاریخ فلسفہ کی مشہور و مقبول کتاب ہے، اس مین مصنف نے فلسفہ کی تعریف مختلف دورون مین اس کی نوعیت اور شکلون، اس کے مدارجِ ارتقا اس کے مختلف مکاتبِ خیال، اس کی شاخون وغیرہ کو اس اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فلسفہ کی ابتدا سے لیکر موجودہ زمانہ تک اس کی پوری تاریخ اور اس کے جملہ اقسام اور تمام پہلو سامنے آجاتے ہین، اور اس کا انداز بیان اس قدر صاف اور سلجھا ہوا ہے کہ فلسفہ سے ناواقف اشخاص کو بھی اس کے دقیق مسائل کے سمجھنے مین کوئی دقت نہین ہوتی، فاضل مترجم نے بھی جو ایک کہنہ مشق اہلِ قلم اور ماہر مترجم ہین اس خصوصیت کو پوری طرح قائم رکھا ہے، اور ایسا صاف اور سلیس ترجمہ کیا ہے کہ اس پر تصنیف کا گمان ہوتا ہے، کتاب کے شروع مین مترجم کے قلم سے ایک مفید مقدمہ ہے، اور آخر مین انگریزی اصطلاحون اور اُن کے اردو مترادفات کی فرہنگ دیدی ہے، یہ کتاب اپنے موضوع و مباحث کے لحاظ سے اصحابِ علم کے مطالعہ کے لائق ہے، اور اس کی اشاعت سے اردو کے علمی ذخیرہ مین ایک مفید اور قابلِ قدر کتاب کا اضافہ ہوا،

تبیان الشہور: مؤلفہ جناب مولوی محمد داؤد صاحب قاسمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۴ صفحات کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت عار پتہ :- محمد داؤد عبد المعبود چوراہہ ٹکلی ڈونگر پور،

اس کتاب مین مصنف نے بارھون اسلامی مہینون کی مذہبی حیثیت، ان کے فضائل و خصوصیات، ان کے متعلق اعمال و عبادات، اُن کے احکام، ان کے رسوم و روایات، مشہور تاریخی واقعات، وفیات اور اس قبیل کے دوسرے مختلف معلومات کو اس جامعیت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کسی مہینہ کے متعلق کوئی ضروری بات چھوٹنے نہین پائی ہے، بلکہ بعض غیر ضروری باتین بھی شامل ہو گئی ہیں، اور ان مہینون مین جو غلط رسمین اور بدعتین رائج ہین، اُن کی تردید کی ہے، اور ہر مہینہ کے اعمال و عبادات کے متعلق مذہبی احکام اور فقہی مسائل بھی تحریر کر دیئے ہین، عموماً مصنف کا نقطۂ نظر صحیح ہے لیکن کہین کہین انھون نے رواداری مین نرمی برتی ہے، مگر بنیادی عقائد و مسائل مین احتیاط سے کام لیا ہے، کتاب کے شروع مین شمسی و قمری سنین کی مختصر تاریخ ہے، اپنے معلومات کے تنوع کے اعتبار سے یہ کتاب مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی،

حیاتِ اشرف از جناب غلام محمد صاحب بی اے عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۶ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر مجلد خوشنما قیمت :- ہے، پتہ : کاروانِ ادب حکیم پریس بلڈنگ نزد شو مارکٹ لارنس روڈ کراچی،

حضرت مولانا اشرف علی تھانوئی کے مرید باصفا اور خلیفہ ارشد خواجہ عزیز الحسن غوری مرحوم نے اشرف السوانح کے نام سے چار ضخیم جلدون مین مرشد کی بسوط سوانح عمری لکھی تھی، جس کا افادہ اُس کی ضخامت کی وجہ سے محدود تھا، اس لئے اس سلسلہ کے ایک ہونہار متوسل غلام محمد صاحب نے حیاتِ اشرف کے نام سے اس کا خلاصہ مرتب کر دیا ہے تلخیص سلیقہ سے کی گئی ہے، کوئی اہم اور ضروری چیز چھوٹنے نہین پائی ہے، اور حضرت مولانا کے سوانح و سیرت کے ساتھ اُن کے علمی و اصلاحی کارنامے افیوض و برکات اور سلوک و تصوف سے متعلق بہت سے مفید معلومات آگئے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بقامت کہتر و بقیمت مہتر کی مصداق ہے جس سے ہر شخص آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکتا ہے، کتاب کے شروع مین مولانا کے خلیفہ مجاز مولانا عبد الباری صاحب کے قلم سے ایک مختصر مگر مفید مقدمہ ہے،

مشائخِ بنارس : از مولوی ابو الآثر عبد السلام صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت خراب، قیمت عہ، پتہ :- ندوۃ المعارف، کچی باغ بنارس،

مقدس کاشی مین ہر زمانہ مین مسلمان علماء و صلحار کی بھی خاصی جماعت موجود رہی ہے، مصنف نے اس کتاب مین چھٹی صدی ہجری سے لے کر اس زمانہ تک کے بنارس کے باون (۹۲) مسلمان علماء و مشائخ کا مختصر تذکرہ قلمبند کیا ہے، کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ابھی نو عمر و نو آموز ہین، تاریخ و تذکرون پر بھی اُن کی نظر محدود ہے، اس لئے کتاب کے معلومات اور تحریر دونون مین خامیان ہین، وہ تھوڑی سی محنت سے اُس کو اور بہتر شکل مین لکھ سکتے تھے، مگر ان مین تصنیف و تالیف کی صلاحیت موجود ہے، جس کو مشق و مہارت کے ذریعہ ترقی دینے کی ضرورت ہے، اُن کی صلاحیت کے لحاظ سے موجودہ شکل مین بھی یہ کتاب حوصلہ افزائی کی مستحق ہے، اس سے کم سے کم ناقص شکل مین ہی بنارس کے علماء و مشائخ کا تذکرہ قلمبند ہو گیا، امید ہے کہ دوسرے ایڈیشن مین اس کی خامیان دور ہو جائین گی،

انمول جواہر : از جناب شمیم ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۹ صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- عمر، پتہ :- سید محمد ایوب صاحب ڈاک بنگلہ روڈ ڈالٹن گنج پلامون صوبہ بہار،

مؤلف نے اس کتاب مین اردو کے چند ادیبون کی انشاء پردازی کے اپنے پسندیدہ نمونے جمع کر دیئے ہین، انتخاب مین خوش مذاقی سے کام لیا گیا ہے مگر غالباً مصنف کا مقصود مشاہیر ادب کے تحریری نمونون کا استقصار نہین تھا، چنانچہ اس کتاب مین صرف دس ادیبون اور اصحابِ قلم کی تحریرون کے نمونے ہین جن مین سے بعض اس اعزاز کے مستحق بھی نہین ہین، اگر وہ اس مین وسعت دے کر اردو کے تمام مشاہیر ادب کے نمونے جمع کر دیتے تو یہ اردو ادب کی ایک مفید خدمت ہوتی، تاہم یہ کتاب بھی فائدہ سے خالی نہین ہے، اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

رازِ حیات از جناب لطافت علی صاحب ہمالت پوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحات،

کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت پتہ (۱) کتب خانہ اشرفیہ بھورا پیر جھور لائن، کراچی،

(۲) سرشار کسمنڈی دار الاشاعت، قیصر اوب حیدر گنج لکھنؤ،

راز حیات جناب ہمالت پوری کے کلام کا مجموعہ ہے، وہ شاعر ہی نہین، بلکہ ایک متبع شریعت، صاحب باطن اور اس کے مبلغ بھی ہین، اس لئے اُن کے کلام مین روحانی اور اخلاقی رنگ نمایان ہے، خصوصاً منظومات کا حصہ تو تمام تر اسی رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، بعض بعض نظمین تو پند وموعظت کا پورا درس ہین، غزلون مین بھی رنگینی ولطافت کے ساتھ باطنی کوائف نمایان ہین، بلکہ ان ساغرون مین اس نشرآ کا نشہ اور تیز ہوگیا ہے، اگرچہ مصنف نے خشک مذہبی واخلاقی نظمون میں بھی حتی الامکان شاعرانہ محاسن کو ہاتھ سے نہین جانے دیا ہے، مگر کہین کہین اُن کے خیالات پر الفاظ کے حسن کا جامہ تنگ ہوگیا ہے مجموعی حیثیت سے راز حیات اسم بامسمّٰی اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، اس کے شروع مین متعدد اصحاب کے قلم سے تعارف، تنقیدین اور تقریظین وغیرہ ہین، ان مین سے صرف ایک دو اصحاب ذوق کی رائین اور ان کا تبصرہ کافی تھا، اتنے اسناد سے کلام کا اصل وزن ہلکا ہوجاتا ہے،

شان مغل از جناب رگھوناتھ سنگھ صاحب ماجد دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۸ صفحات کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت پتہ، کوئر اج رگھونندن سنگھ ساحر دہلوی کناری بازار دہلی،

شان مغل جناب ماجد دہلوی کی غزلیات کا گلدستہ ہے، وہ دلی مرحوم کی آخری بزم کی یادگار اشخاص اور داغ وامیر کے زمانہ مین اُن کی شاعری کا نشوونما ہوا، اس لئے یہی رنگ اُن کی شاعری مین آیا، طرز گو موجودہ معیار تغزل سے الگ ہے، لیکن جس دور کی وہ یادگار ہے، اس کی جملہ ظاہری ومعنوی خصوصیات اس مین پوری طرح موجود ہین، اور حسن وعشق کی معاملہ بندی کے ساتھ زبان کی صحت وفصاحت انداز بیان کی سلاست وشگفتگی، بندش کی چستی ترکیبون کی خوشنمائی محاورون کی چاشنی اور فن کی پختگی کے لحاظ سے کلام ماجد استادانہ ہے،

"م"